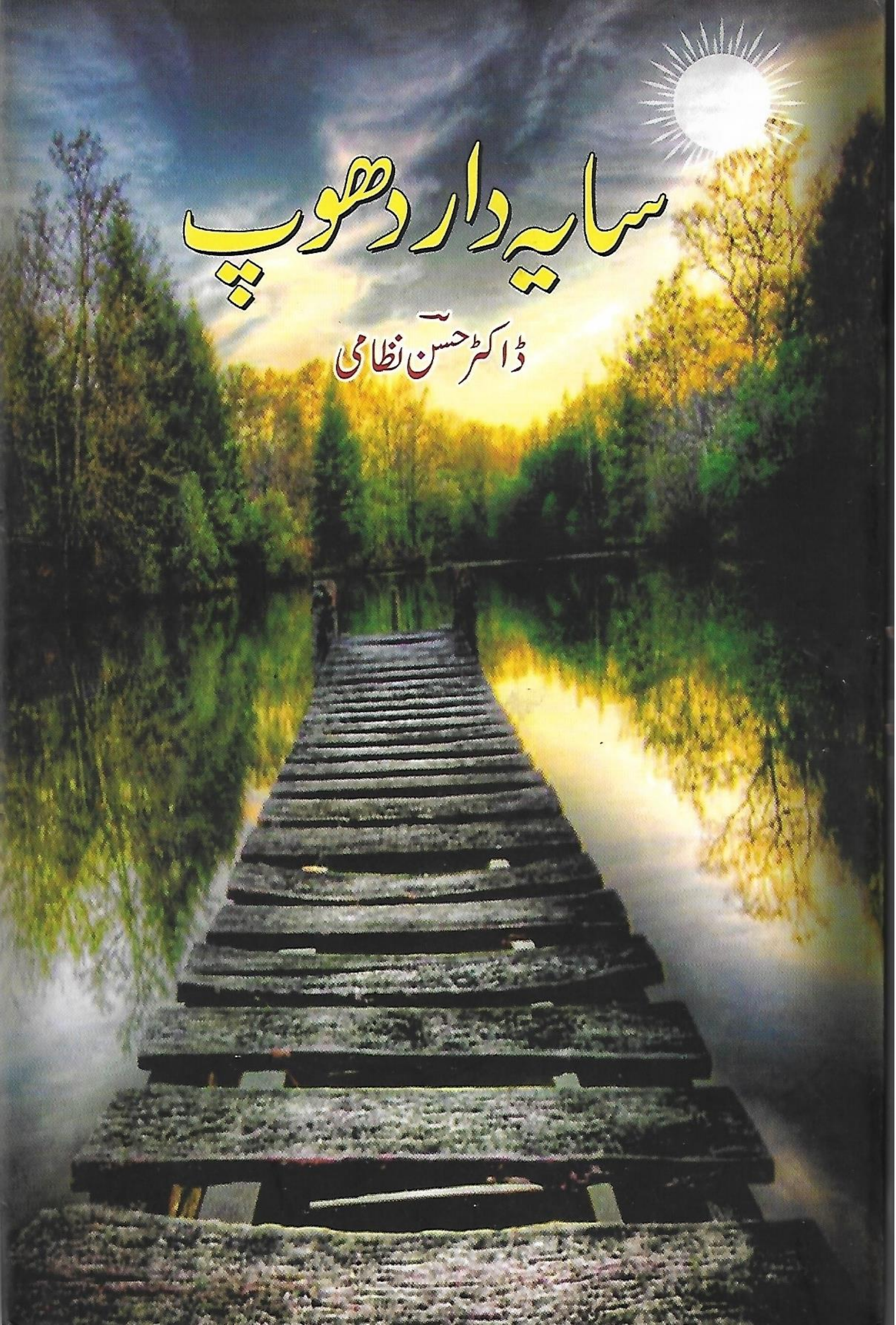

سایہ دار دھوپ

ڈاکٹر حسن نظامی

سایہ دار دھوپ

ڈاکٹر حسنؔ نظامی

میں نے تو اوڑھ لی ہے تری سایہ دار دھوپ
پھر دھوپ تیری سایۂ دیوار کیسے ہو
اسلمؔ بدر

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

©جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

SAAYADAAR DHOOP

(Urdu Poetry)

by

Dr. Hassan Nizami
E-mail : drhassannezami@gmail.com
Mobile No.: 9835390325

Year of Edition 2017
ISBN 978-93-86624-78-9

Price Rs. 250/-

نامِ کتاب	:	سایہ دار دھوپ
شاعر	:	ڈاکٹر حسن نظامی
تعداد	:	۵۰۰
سنہ اشاعت	:	۲۰۱۷ء
قیمت	:	۲۵۰ روپے
کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ	:	محمد سرفراز احمد
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

۱) ڈاکٹر حسن نظامی، شمشیر نگر، جھریا ضلع دھنباد (جھارکھنڈ) 828111
۲) مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی - 110006
۳) بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ - 800004

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

ان محترم شخصیات

کے نام

جن کی شفقت و محبت نے

حوصلہ بخشا

☆

والدہ محترمہ عائشہ خاتون

والد محترم جناب محمد شمس الدین صاحب

بڑے ماموں جناب عین الہدیٰ صاحب

چھوٹے ماموں جناب اختر امام صاحب (مرحوم)

خسر محترم جناب علی حسین انصاری صاحب

(سابق انجینئر ایف.سی.آئی.، سندری)

غیاث احمد گدّی کے نام

ہر ایک شئے کو فنا ہے یہاں
مگر پھر بھی
کچھ ایسے لوگ ہیں
جو دائمی حیات بھی رکھتے ہیں بطریقِ غیاثؔ
یہ فلسفہ بھی ہے اپنی جگہ اٹل
لیکن
''ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں''
مگر وہ شخص ہے تو
جس کی زندگی گذری
نظارہ کرتے ہوئے
''دھوپ سارا دن''
یعنی
ثبات تیرے بھی غم کو یہاں نصیب ہوا
تمہاری فکر و نظر پر ہے یہ عقیدہ میرا
کبھی بھی موت کی پرچھائیں چھو نہیں سکتی

کوائف

نام	:	محمد حسن نظامی
قلمی نام	:	ڈاکٹر حسنؔ نظامی
والدہ کا نام	:	عائشہ خاتون
والد کا نام	:	محمد شمس الدین
نصف جنّت	:	بشریٰ نظامی
اولادیں	:	کاشف نظامی، زرتاب نظامی، نقّاش نظامی
پیدائش	:	19th Aug. 1967
تعلیم	:	ایم۔اے (اردو) پی۔ایچ۔ڈی۔
شغل	:	شاعری، صحافت، تنقید
پیشہ	:	درس وتدریس
تصانیف	:	(۱) جھارکھنڈ کے جدید غزل گو شعراء کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ (۲) غلام مرتضیٰ راہیؔ۔حیات اور کارنامے (۳) سایہ دار دھوپ (شعری مجموعہ)
ادارت	:	'فلک' فولڈر (مدیر) 'دسترس' (معاون مدیر)
پتہ	:	شمشیر نگر، جھریا، ضلع دھنباد (جھارکھنڈ) 828111 موبائل:9835390325

فہرست

۱. انتساب 3
۲. غیاث احمد گدی کے نام 4
۳. کوائف 5
۴. اپنی بات 9
۵. حسن نظامی کی شاعری------اسلم بدر 11
۶. حمد باری تعالیٰ 22
۷. نعت پاک 23
۸. یوں تو کہنے کو ایک عورت تھی 24
۹. آنکھ کی راہ سے بجھتے ہوئے لمحے اترے 26
۱۰. پرندے جیتے ہیں اہل و عیال کی خاطر 28
۱۱. احساس عبدیت کبھی رسوا نہیں ہوا 30
۱۲. اُڑانوں میں کوئی الجھن نہیں ہے 32
۱۳. جدائی بھی قرابت کی طرح تھی 34
۱۴. جوڑمت رشتہ اس سے الفت کا 36
۱۵. نام جب تک ضوفشاں ہے شادؔ، غالبؔ، میرؔ کا 38
۱۶. ہر طرف دھند ہے کدھر جاؤں 40
۱۷. سوکھے ہوئے درخت کے پتوں کو دیکھنا 42
۱۸. رائیگاں مجھکو بہر طور یہاں ہونا تھا 43
۱۹. یہاں پہ خوں کی ارزانی بہت ہے 44
۲۰. تلخیاں رہ جائیں گی لفظِ وفا رہ جائے گا 45
۲۱. ہر ایک چہرے پہ جیسے غلاف روشن ہے 46
۲۲. زندگی غمگین ہوتی جارہی ہے 47
۲۳. ظلمت ہی پہلے تھی جو حوالے میں رہ گئی 48
۲۴. زخم بچھا کر سویا جائے 49
۲۵. اسطرح اس کو کبھی میں نے تو سوچا ہی نہیں 50
۲۶. بہت ہی خونچکاں ہوتا ہے منظر شام ہوتے ہی 51
۲۷. بندگی کا سلسلہ موجود ہے 52
۲۸. عجیب ہوتا ہے چاہت سے دل کا رشتہ بھی 54
۲۹. گرد و غبار میں رہا لپٹا ہوا بدن 55
۳۰. پہلے نذر لب و رخسار کرے گی دنیا 56
۳۱. ذہن سب کا سوچ کر گندہ ہوا 57
۳۲. میں ترے غم کا اٹوٹ حصہ ہوں مت جدا کر 58
۳۳. جب بھی خدا کی ذات سے ہم نے امید کی 59
۳۴. اب تک نہیں ہوا جو اس بار ہو نہ جائے 60
۳۵. میں گھر سے ذہن میں کچھ سوچتا نکل آیا 61
۳۶. طے مجھ سے زندگی کا کہاں فاصلہ ہوا 62
۳۷. شاخ سے پھول کو پھر جدا کر دیا 63
۳۸. جسم میں جلتا ہوا خوف کا ایندھن جیسے 64
۳۹. سڑک کنارے جو تھے وہ گھر ٹوٹ گئے 65
۴۰. آنکھیں برس رہی ہیں ساون میں دھیرے دھیرے 66
۴۱. پیاس کا عکس پھر بھی لب پر تھا 67
۴۲. وہ اپنے گاؤں سے آکر بہک گیا کیسے 68
۴۳. الجھن میں مبتلا یوں مری زندگی رہی 69
۴۴. دل برباد سا گھر نکلا 71
۴۵. ناتواں ہوجائے گا موجِ بلا کا زور بھی 72
۴۶. جل چکا تھا مرے دل کا گھر دھوپ میں 73

۴۷. راحت کہاں نصیب مجھے ہے دکھوں کے بیچ 74
۴۸. میں بھول جاؤں تمہیں کیسے اجنبی کی طرح 75
۴۹. آنکھوں سے خواب اس کا چرایا نہ جائے گا 76
۵۰. ہر اک گام ایک وحشت چاہتی ہے 77
۵۱. پیڑ امید کا جو کاٹا ہے 78
۵۲. تجھ سے روشن ہے دل کا سفر زندگی 79
۵۳. کہیں بھی دور تک ساحل نہیں ہے 81
۵۴. گرم ہوا کو کیسی نسبت پھولوں سے 82
۵۵. دشوار راستے سبھی آسان ہو گئے 83
۵۶. رُت ہے ایسی کہ در و بام نہ سائے ہوں گے 84
۵۷. بارش میں بھیگتے ہوئے کجلا گئی ہے آنکھ 85
۵۸. آنکھوں میں شوقِ دید کا منظر اتار دے 87
۵۹. میری آنکھوں میں کوئی دید کا منظر ہی نہیں 88
۶۰. ابر کی اوٹ سے چاند تکتا رہا 89
۶۱. اپنی انا کے واسطے کیا کیا نہیں کئے 90
۶۲. تمہیں پہ نذر دل و جان کر کے دیکھتے ہیں 91
۶۳. پھروا ہے ہمارے قرینِ قیاس تھے 93
۶۴. ہمیشہ دوسروں پہ انحصار مت کرنا 94
۶۵. پارہ پارہ جسم میں ہوں میں شکستہ مطمئن 95
۶۶. اس طرح اس کو ڈس گیا احساس کمتری 96
۶۷. آنکھوں میں ہے حالات کی تصویر ہمیشہ 97
۶۸. دھوپ میں دن بھر تپتا ہوں 98
۶۹. نہیں منظور اگر موم کو پتھر کہنا 99
۷۰. برف کی صورت میں کسی روز پگھل جاؤں گا 100
۷۱. یہ خود غرض کی طرح دور بھاگ جاتا ہے 101
۷۲. یوں گئے راہ میں کرچیاں چھوڑ کر 102
۷۳. سفر زندگانی کا لمبا نہیں ہے 103
۷۴. دل کی دہلیز سے باہر نہیں ہونے دیتا 105
۷۵. سلگتی ریت پہ اپنی زبان رکھ دینا 107
۷۶. حوصلہ لہجۂ منفی نے بہت پست کیا 108
۷۷. چڑھ کے سر جب عدو بولتا ہے 109
۷۸. بکھر گئی ہے یہاں ہر طرف سحر کی دھوپ 110
۷۹. تشہیر کی طلب میں بیمار لگ رہا تھا 111
۸۰. ہو جرم کوئی، ہے ممکن معاف ہو جانا 112
۸۱. جنوں خلافِ خسارہ بچا رہا ہے مجھے 113
۸۲. غم کتابِ زندگی کا سارا صفحہ کھا گیا 114
۸۳. تمدن کا زیر و زبر دیکھتے ہیں 115
۸۴. بٹوارے کا حصہ تکتا رہتا ہوں 117
۸۵. موج در موج زندگانی ہے 119
۸۶. میری نگاہ میں پُر کیف استعارہ ہے 121
۸۷. سرخروئی ملتی ہے جاں نثار کرنے پر 123
۸۸. اس رات کا مخدوش سفر کس کے لئے ہے 124
۸۹. وہ خود ہی باعثِ صد دل کشی ہے 125
۹۰. رہتے ہیں دور بچے ہماری نگاہ سے 126
۹۱. یہ کیسے خطے میں بوئی تھیں نیکیاں ہم نے 127
۹۲. لاؤں کہاں سے دوسرا منظر شہاب سا 128
۹۳. مہر پچھتائے روشنی کر کے 129
۹۴. گھر کی دہلیز تلک کیسے کوئی آئے اب 130
۹۵. اگر خدا کا جہاں پہ کرم نہیں ہوتا 131
۹۶. ساتھ ہم چلیں گے یہ اعتبار جھوٹا ہے 132

۹۷. تب زمانہ مجھے خوش لقب بولتا 133
۹۸. نام کے ساتھ جو القاب سمجھ میں آئے 134
۹۹. ہر طرف شعلگی، زخم، بارود ہے 135
۱۰۰. رخ شفق کا ابھرنے والا ہے 136
۱۰۱. رشتہ دل کا ہمارا ٹوٹ گیا 137
۱۰۲. سمندروں کا کنارہ ہے ٹوٹنے والا 138
۱۰۳. ذہن گرد و غبار سے باہر 139
۱۰۴. شیشے کا ایک مکان مرے ذہن میں بھی ہے 140
۱۰۵. دنیا زیر آب بھی ہے 141
۱۰۶. لذتوں کا یہ دشتِ بلا اور میں 143
۱۰۷. بھولنے کی مجھ کو کوشش بارہا کرتے رہے 144
۱۰۸. ندی کا سیل ادھر سے اُدھر سے گذرے گا 145
۱۰۹. کسمساتی زندگانی ہے تو ہے 146
۱۱۰. انا کی آگ رگِ ناتواں میں پھیل گئی 147
۱۱۱. پُر فریب و پُر لطافت خوش نظارہ کیا ہوا 149
۱۱۲. کہہ انہیں ہے سر پہ یہ بادل ہے پیار کا 151
۱۱۳. کہتے ہو جسکو پیار وہ دلدل ہے پیار کی 152
۱۱۴. ابر ہے یا کوئی دھواں سا ہے 153
۱۱۵. خواہشوں کا نگر تمام ہوا 154
۱۱۶. اک نظر میں چھلک گیا پانی 155
۱۱۷. بٹھا کے رکھا تھا سر پہ اسے اتار دیا 156
۱۱۸. اگر جانا ضروری ہے تو جاؤ شادمانی سے 157
۱۱۹. میں اپنے واسطے بھی پیچیدہ ہو رہا ہوں 159
۱۲۰. لگتا ہے جیسے قید سے بھالو نکل پڑے 160
۱۲۱. عمر کی ساری کمائی دی ہے 161
۱۲۲. ہر لمحہ ٹیس اور چبھن میرے شہر میں 162
۱۲۳. مہمان وہ ہمارے جو شب بھر کے ہو گئے 163
۱۲۴. قناعت کر کے سمجھائے ہوئے ہیں 165
۱۲۵. میں کہ جو ہر ہوں اک روشنی کی طرح 166

اپنی بات

مجھ میں ادبی ذوق درجہ نہم سے ہی پیدا ہو گیا تھا۔ میں اپنے ہیڈ ماسٹر جناب سعید خاں صاحب سے ٹیوشن کی خاطر ان کے گھر جایا کرتا تھا۔ سرہانے معیاری پرچوں کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ میں ان کی عدم موجودگی میں ان پرچوں کی ورق گردانی کیا کرتا تھا۔ نئے نئے الفاظ اور جملوں کی تراکیب نے مطالعے کی طرف راغب کیا۔ ۸۱-۱۹۸۰ کا زمانہ تھا جب کلکتہ سے ایک ہفتہ وار اخبار ''فلم ویکلی'' شائع ہوتا تھا۔ اس کے دو صفحات ادبی گوشے پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔ جس میں معیاری تخلیقات شامل ہوتی تھیں۔ افسانے، غزلوں کے علاوہ قلمی دوستی، سوال و جواب اور تاثرات کے کالم ہوا کرتے تھے۔ تخلیقات کے مطالعے کے بعد میں تاثراتی خط اور چند سوالات بغرض اشاعت بھیجا کرتا تھا۔ سوال و جواب کے کالم میں میرے سوال کے شامل ہونے اور تاثراتی خط کی اشاعت پر مجھے بے انتہا مسرت ہوتی تھی۔ اس کار میں میرے ایک ہم جماعت اور عزیز ترین دوست آفتاب عالم بھی پیش پیش تھے۔ اس وقت میں ایچ۔ این۔ بیتابؔ ہوا کرتا تھا۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ میں اس وقت بھی اپنے سے نیچے درجے کے بچوں کو ٹیوشن کیا کرتا تھا اور اس سے حاصل ہونے والی رقم اپنی تعلیم اور ادبی پرچوں کی خریداری میں صرف کرتا تھا۔

''فلم ویکلی'' کے مطالعے نے میرے تخلیقی شعور کو بیدار کیا۔ مجھ میں قافیہ ردیف کی تمیز پیدا کی۔ قلم صفحۂ قرطاس پر طفلانہ حرکتیں کرنے لگا۔ میں نے شعر کہنا شروع کیا۔ شعر کیا تھا تک بندی تھی۔ نہ بحر کا علم نہ وزن سے کوئی سروکار۔ ہاں صوتی آہنگ کی نازُکیت نے میرے ذہن و دل کے تار کو نغمہ ریز کر دیا تھا۔ قرآنِ پاک کی آیتوں کی قرأت نے مجھ میں صوتی سمجھ پیدا کی۔ اس کے علاوہ اکثر تنہائی میں معروف شعراء کی غزلیں گنگنا کر حظ اٹھایا کرتا تھا۔ اور اس طرح میں غزلیہ شاعری کی طرف سبک روی سے آگے بڑھنے لگا۔ رونق شہریؔ صاحب جو اس وقت (۸۴-۱۹۸۳) رونق گیاوی کے نام سے ادبی دنیا میں Establish ہو چکے تھے۔ ان کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔ تب سے میرا یہ ادبی سفر رواں

دواں ہے۔ اپنے پیش روؤں کے عطا کردہ شعری سرمائے کے مطالعے سے مجھ میں ذہنی بصیرت حاصل ہوئی اور شعری فلک کا جہانِ معنی پیدا کرنے کا ہنر آیا۔ ہر موزوں طبع انسان شعر کہہ سکتا ہے لیکن شعر کہنے کے اس ہوڑ میں یکسانیت نے معیارِ شعر کو مجروح کر دیا ہے۔ اس سے میں نے احتراز کرتے ہوئے اپنا شعری سفر جاری رکھا ہے۔ میری غزلوں میں جو درد ہے بظاہر میرا ہے۔ لیکن پورے سماج کی نمائندگی کرتا ہے۔ میرے اشعار ہر اُس ذکی الحس شخص کی آواز ہیں جو تڑپنے والا دل رکھتا ہے۔ میں نے آس پاس کے سنگ ریزوں سے ہی اپنا شعری محل تعمیر کیا ہے۔ میرے صحنِ غزل میں ایسی سایہ دار دھوپ کا تصور ہے جس کی نرمی اور سنہرے پن میں زندگی مسکرا رہی ہے۔ ''سایہ دار دھوپ'' میرا اوّلین شعری مجموعہ ہے اس سے قبل میری دو نثری کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ میں کسی طرح کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا بس آپ کے صحنِ ذہن میں اس سایہ دار دھوپ کا کیا تاثر ابھرتا ہے یہی میرا انعام ہوگا۔

میں جناب اسلم بدر صاحب کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے میرے مسودے کو بنظرِ استحسان دیکھا۔ جہاں کچھ کمی نظر آئی اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا اور اپنے مشاہدۂ بلیغ سے اس میں حسن پیدا کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے میری شاعری کے حوالے سے ایک وقیع مضمون رقم کر کے میرے حوصلے کو دوبالا کیا۔ اللہ انہیں عمر دراز عطا کرے۔۔ آمین

جناب سیّد احمد شمیم، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اور ڈاکٹر رونق شہری صاحبان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری شاعری پر اپنی آرا کا اظہار کیا اور مجھ میں قوتِ اعتماد پیدا کرنے کی سعی کی۔

جناب تسلیم نیازی، شری منموہن پاٹھک، نجم عثمانی، طیب خان، غلام مرتضیٰ راہیؔ، شان بھارتی، نسیم اختر نسیم، راشد نور، احمد کامران، کاشف نظامی، زرتاب نظامی، احسن امام احسن، ڈاکٹر معز اشرف، اکرام الحسن، ریحان اختر اور ویسے احباب جنہوں نے اس مجموعے کو منظرِ عام پر لانے کی تحریک پیدا کی، میں انہیں دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میری شریکِ حیات بشریٰ نظامی میرے تخیلات کے غزل بننے تک اپنی موجودگی کا احساس دلاتی رہی ہیں۔ میں ان کا بے حد احسان مند ہوں۔

--- ڈاکٹر حسنؔ نظامی

حسن نظامی کی شاعری

— اسلم بدر

نہایت شرمندہ ہوں کہ ڈاکٹر حسن نظامی سے اس وعدہ کے باوجود کہ مضمون دس پندرہ دنوں میں بھیجوادونگا، مگر تین مہینے ہوگئے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کسی شعری مجموعے پر کچھ لکھتے ہوئے اپنی کم علمی اور کم فہمی کے باعث اکثر قلم کانپنے لگتا ہے۔ اگر حسن صاحب مسودہ پر ایک منظوم تبصرہ یا تقریظ لکھوانا چاہتے تو شاید اگلے ہی دن ایک نظم ان کے حوالے کردیتا۔ اشعار میں کچھ بھی کہا جاسکتا ہے، بہکنے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ کوئی اعتراض بھی کرے تو کبھی حقیقی کبھی مجازی کہہ کر بات ٹالی یا بنالی جاسکتی ہے۔

ابھی کچھ دنوں پہلے نظامی صاحب اپنی سسرال (جمشید پور) آئے ہوئے تھے کہ مسجد سے نکلتے ہوئے آمنا سامنا ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے، میں نے پھر ایک بار وعدۂ محبوب کرلیا۔ نظامی صاحب نہایت سیدھے سادے، شریف النفس انسان ہیں، بس اتنا ہی کہا۔۔۔ جی بہت اچھا! مجموعہ اشاعت کے لئے بھیجنا ہے، ذرا جلدی کردیجئے گا۔ مگر اس وعدۂ محبوب کو بھی پندرہ سولہ دن گذر گئے۔ ایک دن ان کے خسر محترم علی حسین صاحب جو خیر سے میرے پڑوسی بھی ہیں، نے وعدہ یاد دلا کر شرمسار کیا اور پھر ہر دوسرے تیسرے دن وعدہ وفائی کی تلقین کرنے لگے۔ آخرش ایک دن میز کے دراز میں رکھا ہوا مسودہ نکال کر اپنے سرہانے رکھ لیا۔ آج نومبر کی ۴ تاریخ ہے اور مجھے سیّد احمد شمیم کے اعزازی جلسے میں شرکت کے لئے ۷/نومبر کو دھنباد جانا ہے۔ جلسے میں ڈاکٹر حسن نظامی تو آئینگے ہی، ان کا سامنا کیسے کروں گا۔ سرہانے رکھا ہوا مسودہ اٹھایا اور ورق گردانی شروع کردی۔ کئی غزلوں سے سرسری گذرنے کے بعد اچانک ایک شعر پر نظر جم سی گئی۔ شعر کو کئی بار سرسری پڑھا اور اچانک اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ غور کیا تو شعر میں ایک 'جہانِ دگر' نظر آیا۔ طبیعت بے چین ہوگئی۔ جی چاہا کہ کچھ اور غزلیں دیکھ لوں۔ مگر دو چار غزلوں کے بعد پلٹ پلٹ کر اسی شعر کی طرف آنا پڑا۔ پہلے آپ وہ شعر سن

لیں تب بات آگے بڑھائی جائے۔

صبح اٹھا تو لگا مجھ کو حسن　　　دوسرے دن کے لئے زندہ ہوا

بیک نظر آپ کو یقیناً یہ شعر سادہ سا لگے گا۔اس لئے کہ آپ بھی میری طرح 'سرسری اس جہان سے گذر گئے ہونگے'۔یقیناً آپ بھی اس طرح کے شعر سے گذر چکے ہونگے۔

نیند بھی آدھی موت ہوا کرتی ہے　　　موت سے پہلے مرنے والو جاگو

ہمارے رسول ﷺ کی ایک حدیث بھی آپ کی نظروں سے گذری ہوگی،جس کا مفہوم یہ ہے کہ ۔۔۔'ہماری نیند بھی ہماری عارضی موت ہے' مزید یہ کہ 'ہم جب سوئے ہوئے ہوتے ہیں تو روح بدن سے الگ ہوکر بھٹکا کرتی ہے، بھٹکتی ہوئی یہی روح ہمیں خواب دکھلاتی رہتی ہے'۔راقم روزانہ ہی سونے سے قبل نبی کریم کی بتائی ہوئی دعا پڑھ کر سوتا ہے۔

اللهم با سمك اموت و احيا

[اے میرے اللہ تیرے ہی نام سے مرتا (سوتا) ہوں اور زندہ (بیدار) ہوتا ہوں]

یعنی انسان روز ہی سوتے ہوئے مر جاتا ہے اور جاگتے ہوئے زندہ ہو جاتا ہے۔مگر مذکورہ شعر کا جہانِ دگر حضورؐ کی یہ حدیث بھی نہیں ہے۔شعر میں جہانِ دِگر ہے۔۔۔'دوسرا دن'۔نیند کے بعد جاگنے والا دن تو پہلا دن ہے۔شاعر کو تو یہ کہنا چاہیئے تھا.....!

''آج کے دن کے لئے زندہ ہوا''

مگر شاعر کہہ رہا ہے۔۔۔''دوسرے دن کے لئے زندہ ہوا''۔دوسرے دن کے لئے تو اسے پھر مرنا ہوگا۔یہی وہ نقطہ ہے جو شعر میں جہانِ دگر کی حیثیت رکھتا ہے۔دراصل یہ دوسرا دن، وہ دن ہے جس کے بعد موت کی موت ہو جائیگی۔موت پھر کبھی نہیں آئیگی۔کسی صبح جب اچانک شاعر کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ خود کو اس 'دوسرے دن' کی تیاری کے لئے وقف کر دینا چاہتا ہے۔ڈاکٹر حسن نظامی ایک ملتہب شاعر ہیں۔

حسن نظامی سے ملاقات اکثر مشاعروں میں ہوئی ہے۔مگر ان میں مشاعرے کے شاعروں جیسی کوئی خوبی مجھے نظر نہیں آئی۔بس خاموش خاموش سے اسٹیج پر بیٹھے رہے، نام پکارا گیا تو تھکے تھکے سے مائک پر گئے، دھیمے دھیمے لہجے میں غزل سنانے کی رسم پوری کی اور بیٹھ گئے۔نہ شاعروں جیسی لٹک جھٹک، نہ چیخ پکار، نہ سُر تال۔مشاعروں کے عام شاعروں سے انہیں ایک اور چیز الگ کرتی ہے۔۔۔

صاحب مطالعہ وقلم ہیں، دو نثری کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں ایک ان کا تحقیقی مقالہ ''غلام مرتضٰی راہی — حیات اور کارنامے'' ہے۔ دوسری کتاب ہے ''جھارکھنڈ کے جدید غزل گوشعراء''۔ ظاہر ہے دوسری کتاب بھی تحقیقی، ادبی وتدریسی حیثیت رکھتی ہے۔

زیر نظر مسودے میں شاعر کے بنیادی موضوعات ہیں، نامساعد حالات، جبر حالات کے خلاف احتجاج، حالات سے نبرد آزما شاعر کی اپنی شخصیت جس کے عزم، حوصلہ اور انانیت کے اظہار نے نامساعد حالات میں بھی سر اُٹھا کر زندگی کرنے کا ایک رجائی تاثر ابھارا ہے۔ شاعر نے اپنے گھر سنسار اور کچھ معصوم یادوں کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ موخر الذکر موضوع پر کہے گئے اشعار میں شاعر کے ملتہب دل، دل میں جذب واحساس کی نرم نرم آنچ۔ ان اشعار میں گھر کے تصور کا والہانہ پن، سانسوں میں آنگن کی مہک، یادوں میں احساس کے جگنو کی دمک اور رشتوں کی خوشبو رچی بسی محسوس ہوتی ہے۔ ہماری شاعری میں پتھر اور شیشہ کو خاصہ دخل ہے۔ پتھر ہمیشہ ظالم اور شیشہ مظلوم رہا ہے۔ پتھر سے ٹکرا کے شیشہ ہمیشہ چور چور ہو جایا کرتا ہے۔ مگر حسنؔ نظامی کہتے ہیں۔

جس نے مجھ کو بچایا گرنے سے — گھر کی دہلیز کا وہ پتھر تھا

سنگِ درِ جاناناں یا سنگِ آستانہ جیسی تراکیب ہماری کلاسیکی شاعری کا اثاثہ ہیں، مگر سنگِ آستانہ جیسے 'پتھر' تو وہ پتھر ہیں جن کے سامنے جبینیں خم رہا کرتی ہیں۔ جن کے بیان سے عظمت وعبودیت کا احساس جاگتا ہے، مگر حسنؔ کے گھر کی دہلیز کے پتھر سے پیار، محبت، خلوص، احسان جیسی کیفیات کے پیمانے چھلکتے محسوس ہوتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ حسن نظامی کی شاعری کے متعلق لکھتے ہوئے عمومی طور پر انہیں آج کے نامساعد حالات کا شکار شاعر ہی لکھا جائے گا۔ جہانِ حسنؔ سے سرسری گذرتے ہوئے مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگا تھا۔ دو چار ڈبکیوں کے بعد ہی تھاہ کا اندازہ ہوا، اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ حسن نظامی کی شاعری کا اچھا خاصہ بلکہ بہتر و برتر حصہ ان کے گھر سنسار سے وابستہ ہے۔ ذاتی طور پر مجھے اس موضوع پر کہے گئے اشعار اچھے اور سچے لگے۔ ان اشعار میں عرض بھی ہے، طول بھی اور عمق بھی۔ چند اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

شہر ہو کوئی ، کوئی نگر — اپنا گھر پھر اپنا گھر
دل کی دہلیز سے باہر نہیں ہونے دیتا — کوئی ہے جو مجھے بے گھر نہیں ہونے دیتا

آگے بڑھنے کی بھی تحریک دلاتا ہے مجھے — پیچھے مڑنے پہ بھی پتھر نہیں ہونے دیتا
لوٹ آتی ہے ہنسی لب پہ مرے شام ڈھلے — مجھ کو مغموم وہ دن بھر نہیں ہونے دیتا
وہ ایک لمس تھا اس کا، حیات کا ضامن — چھوا جو پیڑ تو پتہ ہرا نکل آیا
اُڑتی ہوئی پتنگ کی مانند میں بھی ہوں — مضبوط ایک ڈور سے لیکن بندھا ہوا
تمہارے ساتھ چلے میلوں تب ہوا معلوم — تمہارے ساتھ ہی چلتا رہا زمانہ بھی
میری نظر میں یہ بھی عبادت خدا کی ہے — شفقت بھری نگاہ سے بچوں کو دیکھنا
سیدھی سی اک لکیر کھنچی تھی مکان پر — دیکھا جو غور سے تری تصویر ہو گئی
کاشف. میرے دل کا سکوں — دھڑکن میں زرتاب بھی ہے
دیکھتا ہوں میں سرفراز اس کو — میرا بیٹا اگرچہ ناٹا ہے

مکان میں کھنچی ہوئی سیدھی سی لکیر ہی تصویر نہیں بناتی ہے بلکہ ہر نقطہ، ہر لکیر، ہر دائرہ، گھر کی تصویر بناتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایک ایسا گھر جہاں رشتے اک مضبوط ڈور سے بندھے ہوئے ہیں۔ یہ ایک ایسا گھر ہے جہاں بچوں سے محبت عبادت سمجھ کر کی جاتی ہے۔ کم از کم میں نے کسی شاعر کے انتخابِ غزلیات میں اپنے بیٹے اور بیٹی کو نام کے ساتھ یاد کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ حسنؔ کی دھڑکنوں میں کاشف اور زرتاب کی چاپ سنائی دیتی ہے۔

جہاں تک میری فہم اور شاعر کے کلام تک اپنی رسائی کا تعلق ہے، حسن نظامی کو میں ایک جمالیاتی حس رکھنے والا یا کم از کم رومانی جذبوں میں سلگنے، پگھلنے والا شاعر مانتا ہوں۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ شاعر نے حالات کے جبر و استحصال پر اس قدر غور کیا ہے کہ ان کی رومانیت گاہے گاہے ہی اپنی چھب دکھلاتی ہے، مگر جب دکھلاتی ہے تو تمام فضائے شعر میں خوشبو و رنگ بکھر جاتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے ہی سہی سنگینیٔ حالات سے فراغت محسوس ہوتی ہے۔ بیمار غالبؔ کے چہرے پر بھی رونق ان کے دیکھے سے آجایا کرتی تھی۔ شاید حسنؔ نے بھی اپنے گھر سنسار کو اپنا محبوب بنا کر جبر حالات کے سامنے اک پردہ سا تان لیا ہے۔ ذیل میں کچھ اور اشعار دیکھیں مگر ان اشعار کا محبوب 'وہ' ہے، 'تم' ہے۔۔۔ 'جانے کون آ گیا بام پر دھوپ میں'۔ شاعر خود بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ ایک ہے یا کئی ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس محبوب کا تعلق شاعر کے اپنے گھر سنسار سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کوئی بھولی بسری ہوئی معصوم سی لک چھپ کرتی ہوئی یاد ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ۔۔۔ 'دل کے بہلانے کو' ایک حسین سا خواب یا خیال تراش لیا گیا ہو۔

یہ محبوب جو بھی ہے، مگر ہے ایسا کہ جب بام پر دھوپ میں نکل آتا ہے تو تپتی ہوئی دھوپ قوسِ قزح کے سات رنگ بن کر چاروں طرف چھا جاتی ہے۔ یہ دراصل درد و غم، الم و ستم میں بھی بہلتے رہنے کی کوشش ہے۔

اے حسنؔ ہر طرف رنگ سا چھا گیا
جانے کون آ گیا بام پر دھوپ میں

ایسا نہیں کہ بولتے لمحے اداس تھے
تم دور ہو کے میری نگاہوں کے پاس تھے

تم اپنے پاؤں کی زنجیر توڑ سکتے ہو
میں اپنی قید میں ہوں انتظار مت کرنا

سنورنے کا اپنا ہے انداز اس کا
کبھی آئینہ اس نے دیکھا نہیں ہے

کسی کی یاد کی دنیا مگر آباد رہتی ہے
میں ویرانے کا ہو جاتا ہوں منظر شام ہوتے ہی

مہمان وہ ہمارے جو شب بھر کے ہو گئے
ہم بادشاہ اپنے مقدر کے ہو گئے

کس کو معلوم رہِ شوق بلا ہے جاں کی
جھیل کا پانی بہت صاف تھا پینے اترے

حسنؔ کی غزلوں میں ایک اور بات لائق توجہ ہے۔ زبان کی سادگی اور جدید لب و لہجہ کی رمق کے ساتھ چھوٹی زمین پر کہے گئے اشعار سلاست و فصاحت و بلاغت کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان اشعار میں عمق بھی ہے اور زیریں لہروں کی کاٹ بھی۔ دل میں معصوم سی ایک خواہش ابھرتی ہے کہ کاش حسنؔ نظامی نے ایسی ہی ننھی بیر بہوٹی جیسی زمینوں پر طبع آزمائی کی ہوتی۔ مستقبل قریب میں ان سے ایسی ہی توقع ہے:

دھوپ میں دن بھر تپتا ہوں
پھر بھی میں اک سایہ ہوں

ملے ہو اتنے دن کے بعد
سچ بولو میں کیسا ہوں

چبھتی ہے آنکھوں میں نیند
کانٹوں پر میں سویا ہوں

بے الفاظ ہیں میرے گیت
گونگے کا میں نغمہ ہوں

جانے کیوں یہ خیال آیا ہے
دیکھ لوں خود سے دوستی کر کے

موج در موج زندگانی ہے
ریت کی تہہ میں بھی روانی ہے

دوسروں کے لئے میں زندہ ہوں
وصف یہ میرا خاندانی ہے

ابر میں چھپ کے سو گیا سورج
دھوپ کو چھاؤں کی ضرورت تھی

رہوں مصروف بے مصرف ہمیشہ
اسی کا نام شاید زندگی ہے

حسنؔ نظامی نے اپنی خاصی زندگی دھنباد اور جھریا میں گذاری ہے۔ جھریا تو کوئلے کی کھدانوں

کے اوپر بسی ہوئی غبار آلود، تپتی سلگتی ہوئی ایک نیم شہری آبادی ہے۔ دھنباد، جھارکھنڈ کے بڑے شہروں میں ایک بڑا شہر ہے۔ مگر یہ شہر بھی کوئلے کی تجارت اور کوئلے کے تجارتی و صنعتی فروغ کے سلسلے میں سارے ملک میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ عام طور پر ایسے شہر کی آبادی دو طبقات میں تقسیم رہا کرتی ہے۔ محنت کش مزدور اور تاجر و کارخانہ دار۔ دونوں طبقات کے مسائل جدا جدا ہو سکتے ہیں مگر مسئلوں کا حل ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ دونوں کے درمیان بظاہر دو مخالف قطبین کے فاصلہ کے باوجود رشتے کی ایک مضبوط ڈور میں دونوں ہی بندھے ہوتے ہیں۔ اذہان و افکار جب مزدور طبقے کے مسائل سے دوچار ہوتے ہیں تو ادب میں ترقی پسند عناصر فروغ پانے لگتے ہیں۔ اور جب اذہان صنعتی فروغ کی طرف مائل ہوتے ہیں تو افکار میں چپکے سے 'جدید عناصر کا رچاؤ ہونے لگتا ہے اور شعر و ادب میں 'صنعتی (ادبی) فروغ' کے لئے نئی نئی ٹکنالوجی (لہجہ، تراکیب، مضامین)' اور 'خام مال (لفظیات) کا استعمال ہونے لگتا ہے۔ مگر اس تبدیلی کے پس ذہن و پیش نظر اول الذکر 'محنت کش طبقہ' ہی ہوا کرتا ہے۔ بلا خوف تردید میرا یہ ماننا ہے کہ ترقی پسندی اور جدت پسندی دو الگ الگ پسند نہیں ہیں۔ چونکہ نظامی نے دھنباد اور جھریا دونوں شہروں کو اپنا مسکن بنایا ہے اس لئے دونوں ہی طبقاتی رجحانات سے متاثر ہوئے ہیں۔

آج کے ادبی پس منظر میں 'کمرہ'، 'دریچہ' اور 'آئینہ' کا ایک استعاراتی نظام قائم کرتے ہوئے شاعر نے اپنی شاعری کے ڈکشن کے متعلق دلچسپ بات کہی ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ 'کسی کمرے میں' اگر روشنی مقصود ہو تو کمرے کی دیوار میں 'دریچہ' یا دریچوں کا وا ہونا ضروری ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محض دریچے روشنی کی ضمانت نہیں ہوتے:

دریچے ہر طرف کھولے گئے ہیں مکاں پھر بھی بہت روشن نہیں ہے

حالات جب ایسے ہوں تو کمرے میں روشنی کے لئے اندرون و بیرون انعکاس کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے لئے مختلف زاویوں پر 'آئینے' بھی نصب کرنے پڑتے ہیں:

روشنی کمرے میں ہر گوشے سے پھیلے اس لئے نصب ہر دیوار میں ہم آئینہ کرتے رہے

حسنؔ کی غزلوں میں ایسے ہی کئی دریچے بھی کھلے ہیں اور کئی آئینے بھی نصب ہیں۔ اپنے شعری لہجہ اور ڈکشن کے متعلق خود ان کا فیصلہ محفوظ ہے، کہتے ہیں:

لباس شعر نیا بھی ہے اور پرانا بھی
ہمارے لفظ پہنتے ہیں اب کسے دیکھیں

مجھے ڈاکٹر حسن نظامی اپنی فکر سے ترقی پسند اور لہجے سے جدید نظر آتے ہیں۔ نظامی نے جس عہد میں شاعری کی ابتداء کی تھی وہ عہد ترقی پسند ادب کے چل چلاؤ اور جدید ادب کے آغاز کا عہد تھا اسی لئے انہوں نے بھی (کبھی کبھی فیشن کے طور پر بھی) لفظیات، تراکیب اور لہجے کی حد تک جدت کو خوب خوب اور خوبی کے ساتھ اپنایا ہے۔ نمونے کے طور پر لفظیات میں تنہائی، گمشدگی، سورج، دھوپ، سایہ، پتنگ، ڈور، سنگ، موم،۔۔۔ تراکیب لفظی میں لمحوں کا ہیولہ، رات کی ناگن، بے مصرف مصروفیت، خاموش جھیل، ایک ٹکڑا خوشی، اپنے اندر کی تاک جھانک، آنگن میں اترتے ہوئے پرند وغیرہ۔ قوافی کے استعمال میں بھی۔۔۔ کاٹ، چاٹ کے ہم قافیہ ساٹ، سمراٹ۔۔۔ آنسو، بازو کے ہم قافیہ بھالو، چاقو، سادھو۔۔۔ آنگن، دشمن کے ساتھ انجن کا قافیہ اسی طرح مور، ڈور۔۔۔ اژدھوں، پاگلوں۔۔۔ کاٹا، آٹا، ساٹا، جوار بھاٹا جیسے قوافی کہیں کہیں اوڑھے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

شاعر نے فارسی آمیز لغوی زبان، طویل اضافتوں اور تراکیب سے دانستہ گریز کرتے ہوئے سادہ سادہ لفظوں اور دھیمے لہجے سے اپنے اشعار سنوارے ہیں۔ ایسے اکثر اشعار اپنی سادگی و پرکاری کی عمدہ مثال ہیں۔ مگر وہیں کچھ مصرعے ایسے بھی ہیں جہاں جدت، فیشن زدہ اور گراں گوش معلوم ہوتی ہے ۔۔۔ مثال کے طور پر۔

آئے گی کوئی چیل اٹھالے گی چونچ میں

جیسے مصرعوں پر ظفر اقبال یا ندا فاضلی کی بے وجہ تقلید نظر آتی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ۔۔۔ 'ہمارے لفظ پہنتے ہیں اب کسی دیکھئے۔ 'باغ کا مالی مگر بونا ہوا'۔۔۔ 'ایک ٹکڑا خوشی کا تھا رکھا ہوا'۔۔ جیسے مصرعے بے ساختہ اور خوش گوش لگتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار میں دونوں طرح کی مثالیں موجود ہیں۔

ایک ٹکڑا خوشی کا تھا رکھا ہوا
کسی کا غم ہو نم ہوتی ہیں آنکھیں
چھا گئی بچوں کے چہرے پہ نئی ہریالی
میں نے جھانکا ہے اپنے اندر بھی
دستک دیا ہے غم نے تو کچھ بات ہے ضرور

جانے کس شخص نے لا پتہ کر دیا
کھلا کہ جھیل میں پانی بہت ہے
آج پھر پیڑوں سے آنگن میں پرندے اترے
خامشی کا جوار بھاٹا ہے
کمرے میں اس طرح تو پرایا نہ جائے گا

ہم اپنی ہی قربت سے ہیں محروم نظامؔی
ملنے کے لئے خود سے ہی دن بھر نہیں جاتے

یوں تو نا مساعد حالات، حالات پر تبصرہ اور صورت حالات سے نبرد آزمائی بظاہر حسنؔ کی شاعری کا مرکزی موضوع لگتا ہے۔ ان موضوعات پر لکھا جاتا رہے گا۔ چونکہ میں ان موضوعات کو ان کی شاعری کا عمود نہیں مانتا، اس لئے کچھ شعر دہرانے پر اکتفا کرتا ہوں۔

نا مساعد حالات:

دریا کی موج تند بھنور میں بدل گئی
دہشت، حصار ظلم سے آگے نکل گئی

سر اٹھاتے ہی کوئی چیخ نکل آتی ہے
سر پہ کس درجہ گھنے خوف کے سائے ہوئے ہیں

رات ناگن بن کے مجھ کو ڈس چکی ہے رات بھر
دے نہ پائے گی سکوں لگتا ہے شاید بھور بھی

حالات پر تبصرہ:

سمت مشرق دیکھتا ہوں میں اجالا
رات کی تکفین ہوتی جا رہی ہے

شاخ پھر دیوار سے اونچی ہوئی
باغ کا مالی مگر بونا ہوا

نام گجرات کا اگر ہم لیں
جسم پر سانپ سا گزر جائے

حالات سے نبرد آزمائی، خود اعتمادی کے انداز اور رجائی تاثر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

کوئی نہ تھا اب کے باہر کا ہاتھ حسنؔ
اپنے زخم میں اپنے نشتر ٹوٹ گئے

پارہ پارہ جسم میں ہوں جاں شکستہ مطمئن
دوسرا آئینے میں ہے کون مجھ سا مطمئن

میل کے پتھروں سے ذرا پوچھ لو
میں نے تنہا کیا ہے سفر دھوپ میں

تم نظامؔی ہو فقط اپنے عمل سے زندہ
ان لکیروں کو کبھی تم نہ مقدر کہنا

خوش رونقئی زیست کی خاطر حسنؔ بہت
اپنے بدن سے میں نے حرارت کشید کی

حالات کا جائزہ اور مشورہ:

لہریں ڈبو دیں یا ہمیں طوفاں بکھیر دے
لنگر جو اُٹھ گیا تو سمندر کے ہو گئے

بدن کی ساری طنابیں بکھرنے والی ہیں
مکان سارے کا سارا ہے ٹوٹنے والا

کوئی غمخوار پھر نہیں ہوگا
گر ہوئے تم مدار سے باہر

ربط میں تازگی رہے باقی
اس سے مل کر بھی فاصلہ رکھنا

شعری ادب میں اکثر شعراء نے حسب مقدور تاریخ بطور خاص اسلامی تاریخ کے کچھ اہم واقعات کو استعارہ کے طور پر یوں منظوم کیا ہے کہ موجودہ حالات کی بھر پور عکاسی بھی ہو جائے اور ہم ان واقعات سے سبق بھی حاصل کر سکیں۔ ایسے اشعار تلمیحی اشعار کہلاتے ہیں۔ اقبالؔ کی نظمیں ایسی تلمیحات سے بھری پڑی ہیں۔ 'شکوہ' کا ایک شعر تو زبان زد ہے:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　　بحر ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

اس شعر میں اسلامی فتوحات کے دو اہم واقعات درج ہیں۔ ایک تو حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں سلطنت کسریٰ کی فتح کا واقعہ کہ جب سعد بن وقاص نے دریائے دجلہ کے تیز بہاؤ میں اپنے شہسوار دستے اتار دئے تھے اور کسریٰ کے فوجی سپاہی 'دیو آمدند، دیو آمدند' کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور کسریٰ بغیر کسی مزاحمت کے فتح کر لیا گیا تھا۔ اسی شعر میں دوسرا واقعہ بنو امیہ کے دور خلافت کا ہے کہ جب جنوبی افریقہ فتح کرنے کی غرض سے نکلے ہوئے عظیم سپہ سالار عقبہ بن نافع نے بحر ظلمات میں اپنے گھوڑے دوڑا دئے تھے۔ مگر ایسی تلمیحی اشعار کو سمجھنے کے لئے تاریخ کا علم ضروری ہے۔ غالبؔ کے دیوان کا پہلا شعر ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا　　　کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

یہاں غالبؔ نے بھی ایرانی تاریخ وتہذیب کا ایک باب روشن کیا ہے۔ شعر میں ایرانی بادشاہوں کے دربار میں آئے ہوئے فریادیوں کی ایک رسم کی طرف اشارہ ہے، مگر ذکر ہے عالم امکان کی بے ثباتی کا۔

اردو شعری ادب کا ایک معروف ومقبول استعارہ ہے 'داستانِ کربلا'۔ اس موضوع پر گوپی چند نارنگ کی مشہور ومعروف تصنیف ''سانحۂ کربلا بطور شعری استعارہ'' لائق توجہ ہے۔

ڈاکٹر حسنؔ نظامی نے بھی واقعۂ کربلا سے استفادہ کیا ہے۔ اس شعر میں محض کربلا کے میدان میں حسین ابن علیؓ کی شہادت اور یزید کی بربریت کا ذکر نہیں ہے بلکہ موجودہ عہد کی ایک تصویر بنتی دکھائی دے رہی ہے، جب مظلوم کا سر بلند رہے گا اور ظالم رسوا ہونگے۔ ظالم خواہ برسر اقتدار لوگ ہوں، کوئی طبقہ ہو یا حکومت ہو:

کٹ کر بھی سر بلند رہا ذی وقار کا　　　رسوا مگر یزید کی شمشیر ہو گئی

زیرنظر مضمون کے آغاز میں جس شعر پر گفتگو کی گئی ہے، یعنی ''صبح اُٹھا تو لگا مجھکو حسن.....دوسرے دن کے لئے زندہ ہوا'' کو بھی تلمیحی شعر کا درجہ حاصل ہے۔ اس سلسلے کے کچھ اور شعر دیکھیں:

ساری خلقت کا رہنما بن کر — آپؐ نکلے ہیں غار سے باہر
عمر کی ساری کمائی دی ہے — تب کہیں جا کے رہائی دی ہے
کہاں سے آتے ہیں نان جویں کے یہ ٹکڑے — نہ گھر ہے کوئی نہ ہم کاروبار کرتے ہیں
یہ خاکساریٔ فطرت مجھی سے ہے منسوب — میں ٹھوکروں سے سمندر نکال سکتا ہوں

بس اشارے کرتا چلوں کہ پہلا شعر بالکل صاف وشفاف ہے، بات غارِ حرا کی، اقراء کی، تبلیغ دین کی، رحمت عالمؐ کی اور عالم کل کی ہورہی ہے۔ دسرے شعر میں حضرت صہیب رومیؓ کی ہجرت مدینہ کی داستان ہے۔ تیسرا شعر حضرت مریمؑ کے لئے آسمان سے نازل ہونے والے خوان کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ چوتھے شعر میں اسمٰعیلؑ کی ایڑیوں سے بے آب و گیاہ سرزمین میں چشمۂ زم زم کے جاری ہو جانے کی داستان ہے۔

موضوع ایسا ہے کہ داستان طولانی ہوتی چلی جارہی ہے۔ بس ایک آخری بات کہہ کے قلم روکتا ہوں۔ تلمیحی اشعار میں واقعۂ کربلا کی طرف بعض شعراء نے 'غزوۂ احد' کو بھی خوب خوب نظم کیا ہے۔ اگر گراں خاطر نہ ہوتو راقم کا ایک شعر سن لیں:

ابھی نہ مالِ غنیمت سمیٹئے اسلم — سوار پُشت کے ٹیلوں میں چھپ کے بیٹھے ہیں

'لا الٰہ الا اللہ' کے پرچم تلے نصرت دین اسلام ہی اسلامی غزوات وسرایہ کا مقصد اولیٰ واعلیٰ ہوا کرتا ہے۔ غزوۂ احد کی مکمل داستان بس چند گھنٹوں کی ہے۔ جبل رماۃ پر متعین تیرانداز دستے سے نبی کریمؐ نے کہا تھا کہ اس معرکہ کا انجام کچھ بھی ہو، ہرگز ہرگز اپنا مورچہ نہ چھوڑنا۔ مگر معرکہ شروع ہونے کے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر اسلامی لشکر قریش مکہ پر غالب آچکا تھا۔ لشکر قریش کے سپاہی اپنا اپنا ہتھیار اور دیگر سازوسامان پھینک پھینک کر احد کی پہاڑیوں کے عقب جانب بھاگنے لگے تھے۔ اسلامی لشکر کے سپاہی مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہوگئے۔ جبل رماۃ سے بھی تیرانداز دستہ میدان میں اتر آیا اور مال سمیٹنے والوں میں شامل ہوگیا۔ خالد بن ولید (اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوئے تھے) اسی موقع کی

تاک میں تھے، اپنا شہسوار دستہ لے کر اسلامی لشکر کی پُشت پر حملہ آور ہوئے اور چند منٹوں کے اندر جنگ کا نقشہ پلٹ گیا۔ سیّد الشہدا ءحضرت حمزہؓ، علم بردار مصعب بن عمیرؓ، عبداللہ بن جحشؓ سمیت کل ستر صحابیوں نے جامِ شہادت نوش کیا، بقیہ صحابہ کرام بھی زخموں سے چور چور تھے۔ خود حضور ﷺ لہولہان ہو کر صحابہ سمیت احد کے غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اب فتح، لشکرِ قریش کے نام تھی۔ قریش کا سپہ سالار ابو سفیان غار کے دہانے تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے میدانِ احد میں مسلمانوں کی بکھری ہوئی لاشیں بھی دیکھی تھیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اسلامی لشکر کے دوسرے سپاہی بھی زخموں سے نڈھال ہیں۔ وہ چاہتا تو ایک آخری حملہ کر کے باقی بچے ہوئے جاںنثارانِ اسلام کا قلع قمع کر سکتا تھا۔ مگر 'ہبل کی جئے، ہبل کی جئے' کا نعرہ لگاتا ہوا واپس ہو گیا اور مکہ کی راہ پکڑ لی۔ اس کا مقصد تھا غزوۂ بدر کا انتقام، اپنی سرداری و سرفرازی۔ عام طور پر فتح یاب لشکر جنگ کے خاتمہ کے بعد کئی کئی دنوں تک میدانِ جنگ میں پڑاؤ ڈالے رکھتا ہے۔ مگر یہاں تو معاملہ مختلف تھا، مفتوحین بھاگ کھڑے ہوئے تھے، مگر اسلامی لشکر میدان میں نہ صرف موجود تھا بلکہ کچھ گھنٹوں بعد اس نے لشکرِ قریش کا پیچھا بھی کیا تھا۔ اب آپ ڈاکٹر حسن نظامی کا وہ عہد ساز تلمیحی شعر سنئے، جس کے لئے راقم نے اتنی تفصیل بیان کی ہے۔

وہ فاتح تھا مگر جذبے سے عاری
ہماری ہار نصرت کی طرح تھی

☆☆☆

ASLAM BADR
E-mail: aslambadr@gmail.com

حمد باری تعالیٰ

نواحِ دشت سے آتی ہے اک صدا کوئی
بیاں کا عجز ہے اکثر تری ثنا کوئی

ہے تیرے ذکر سے میرے مشامِ جاں میں مہک
نشاطِ جاں بھی نہیں ہے ترے سوا کوئی

بکھر کے شاخ سے ہو جائیں سب جدا کانٹے
چلا دے ایسی ہوا اب کے تو خدا کوئی

ترا کرم نہ ہو مجھ پر تو اے مرے مولیٰ
اتار لے گا بدن سے مری قبا کوئی

میں اس میں دیکھ سکوں اپنا چہرۂ باطن
نظر کے سامنے رکھ دے تو آئینہ کوئی

خدا کی مرضی ہو شامل تو پھر تعجب کیا
جلے گا تیز ہواؤں میں بھی دیا کوئی

ترے کرم کی سخاوت سے ہو گئے نادم
ہمارے لب پہ نہیں حرفِ مدّعا کوئی

*****

نعتِ پاک

سر پہ میرے آپکی چھاؤں گھنی ہو جائے گی
شاخِ ہر امید کی میری ہری ہو جائے گی

لمس یادِ مصطفیٰ پا کر بہت سرشار ہوں
زندگانی کی ہر اک شئے پھر نئی ہو جائے گی

زندگی میں گھُپ اندھیرا ہے مرے چاروں طرف
آپ کی بس اک نظر ہو روشنی ہو جائے گی

مجھ غریبِ ناتواں کے خواب میں آجایئے
روضۂ اقدس پہ میری حاضری ہو جائے گی

ہم درودِ پاک کا کرتے رہیں گے وردِ خاص
سر پہ رحمت کی گھنی اک چھاؤنی ہو جائے گی

سنگ دل کو بھی بنایا موم آقا آپ نے
کب عمرؓ نے سوچا تھا کہ دوستی ہو جائے گی

محسن انسانیت جُز آپ کے کوئی نہیں
ساری دنیا کو حسنؔ یہ آگہی ہو جائے گی

*****

یوں تو کہنے کو ایک عورت تھی
اس کے قدموں میں میری جنّت تھی

لوگ حیرت سے تک رہے تھے مجھے
میری آنکھوں میں تیری صورت تھی

ساری دنیا کو برف کر دیتا
اس کے قبضے میں ساری خلقت تھی

ابر میں چھپ کے کھو گیا سورج
دھوپ کو چھاؤں کی ضرورت تھی

دیکھتے ہم نہ چہرۂ دنیا
آئینے کو مگر ضرورت تھی

پی گئے اپنی آنکھ کے آنسو
پیاس کی لب پہ اتنی شدّت تھی

خوشبوئیں بھی رہیں تحفظ میں
پنکھڑی جب تلک سلامت تھی

سر پہ ابر کرم تھا چھایا ہوا
جیسے مجھ پر خدا کی رحمت تھی

تجزیہ اس کا مجھ سے ہو نہ سکا
یوں تو مجھ میں بڑی ذہانت تھی

دل سے کیسے اسے بھلا دوں میں
اس کے لہجے سے صاف نیت تھی

*****

آنکھ کی راہ سے بجھتے ہوئے لمحے اترے
اقربا جتنے تھے کشتی کے وہ سارے اترے

اس سے کہتے ہو کہ پھر لوٹنا ہوگا چھت پر
سانس کی لَے کو جو تھامے ہوئے زینے اترے

چھا گئی بچوں کے چہرے پہ نئی ہریالی
آج پھر پیڑوں سے آنگن میں پرندے اترے

لوگ ساحل پہ تماشائی بنے بیٹھے رہے
بیچ دریا میں فقط ہم ہی اکیلے اترے

چیخ نکلی نہ کوئی آہ و فغاں کی میں نے
یوں تو سینے میں کئی تیر نکیلے اترے

کوئی مفہوم بیاں پھر نہ ہوا مجھ سے کبھی
بوجھ کندھوں سے جو احساس کے میرے اترے

کس کو معلوم رہِ شوق بلا ہے جاں کی
جھیل کا پانی بہت صاف تھا پینے اترے

یہ حسنؔ جھیل کر آئے کسی سورج کا عتاب
جھِیل میں کس لئے معصوم پرندے اترے

*****

پرندے جیتے ہیں اہل و عیال کی خاطر
اُڑان ان کی ہے رزقِ حلال کی خاطر

ہمارے ہاتھ کے طوطے ہی اُڑ گئے سارے
دراز دست کئے جب سوال کی خاطر

اسی قبیل کا اک لفظ مل سکا نہ ہمیں
بہت بھٹکتے رہے ہم ملال کی خاطر

نجوم و ماہ کیا کرتے ہیں طوافِ زمیں
حصولِ نکہت و رنگِ جمال کی خاطر

تلاشِ مرہم ہستی میں ہو گئے زخمی
تمہارے زخم کے ہم اندمال کی خاطر

کبھی تو بابِ اثر تک صدائیں پہنچیں گی
دعائیں مانگتے رہنا کمال کی خاطر

بنامِ شعر کہاں ہیں علامتیں زندہ
نہ استعارہ کوئی ہے مثال کی خاطر

*****

احساسِ عبدیت کبھی رسوا نہیں ہوا
میں اختلافِ ذات کا قصّہ نہیں ہوا

شاخ وثمر سے لپٹے ہوئے انگنت تھے سانپ
دہشت وہ تھی کہ پیڑ میں پتّہ نہیں ہوا

تارِ نفس بکھرتے رہے ٹوٹ ٹوٹ کر
میں منتشر تھا دل مرا تنہا نہیں ہوا

آئینہ نصاب بدلتا رہا جہاں
غائب مگر فریم سے چہرہ نہیں ہوا

جامد سا ہو کے رہ گیا ریگِ سیاہ پر
تالاب میرے شہر کا دریا نہیں ہوا

مومی پرت جمی تھی تھکن کے لباس پر
اپنے دکھوں سے میں کبھی گیلا نہیں ہوا

دونوں کے درمیان تھا محفوظ فاصلہ
اچھا ہوا کہ دور کا رستہ نہیں ہوا

*****

اُڑانوں میں کوئی الجھن نہیں ہے
پرندوں کا کوئی مسکن نہیں ہے

فضا میں تتلیاں خوش رنگ تو ہیں
کسی بھی گاؤں میں ساون نہیں ہے

ہمارے عہد کی پہچان کیا ہو
کسی بھی جسم پر گردن نہیں ہے

خدا ہی رنج و راحت پر ہے قادر
توکل ہے تو پھر الجھن نہیں ہے

فصلیں کیوں اٹھائی جا رہی ہیں
مقابل اب کوئی دشمن نہیں ہے

دریچے ہر طرف کھولے گئے ہیں
مکاں پھر بھی بہت روشن نہیں ہے

جلے ہیں روز و شب ہم اس طرح بھی
ہمارے جسم میں ایندھن نہیں ہے

اندھیرے میں حسنؔ چلنا پڑے گا
چراغِ جاں اگر روشن نہیں ہے

*****

جدائی بھی قرابت کی طرح تھی
مگر ساعت نحوست کی طرح تھی

لپٹ کے سو گیا میں زندگی سے
غضبناکی عنایت کی طرح تھی

وہ فاتح تھا مگر جذبے سے عاری
ہماری ہار نصرت کی طرح تھی

ہرن کی آنکھ میں دہشت تھی زندہ
مگر یہ چشمِ حیرت کی طرح تھی

گذاری تھی جو ساعت ساتھ تیرے
نظر میں وہ امانت کی طرح تھی

یقیں کرنا گماں کے دائرے میں
طبیعت اس کی عورت کی طرح تھی

ابھی جو خاک کی پیوند سی ہے
فلک بوس اک عمارت کی طرح تھی

دعا ماں کی محافظ تھی نہیں تو
ہر اک مشکل قیامت کی طرح تھی

*****

جوڑ مت رشتہ اس سے الفت کا
جو ہے طالب لہو کی شہرت کا

جس طرف چاہے پھینک دے مجھ کو
سنگ ہوں اس کے دستِ قدرت کا

لاکھ کوشش کی، ہو گیا قائل
لکھا مٹتا نہیں ہے قسمت کا

میں کھڑا ہوں درونِ میخانہ
دیکھنا ہے اثر بھی نیت کا

ایک مدّت کے بعد اترے گا
جو چڑھا ہے خمار دولت کا

دل میں جھانکا تو یہ ہوا محسوس
اک جنگل ہو جیسے دہشت کا

دھوپ آنگن میں اترے گی جب تک
گھر پہ سایہ رہے گا ظلمت کا

سر پہ سایہ فگن ہے ابرِ کرم
ہاتھ پھیلا ہو جیسے شفقت کا

اس کے جانے کے بعد عقدہ کھلا
آدمی تھا مری طبیعت کا

*****

نام جب تک ضوفشاں ہے شادؔ، غالبؔ، میرؔ کا
رُخ منور ہی رہے گا جذبۂ تعمیر کا

دیدۂ بینا پہ حیرانی ہے خود ہم کو میاں
اس قدر ظلمت زدہ چہرہ بھی ہے تنویر کا

اس کے چھو دینے سے ہو جاتا ہے ذرّہ آفتاب
مجھ کو ہے احساس اپنی شومئ تقدیر کا

آنگنوں کی مٹیوں سے بیل بوٹے کھل گئے
قافلہ اترا ہے جیسے میرے گھر تنویر کا

شادمانی کا کوئی جھونکا سا آئے اس طرف
شہر میں چرچا بہت ہے خوشنما تصویر کا

شاخ پر بیٹھے ہیں دو ایک امن کے شاید پرند
موڑ لو اب رُخ میاں تم اس طرف سے تیر کا

محویت اپنی نظامؔی منتشر ہونے لگی
ختم رشتہ ہو نہ جائے آنکھ سے شہتیر کا

*****

ہر طرف دھند ہے کدھر جاؤں
"راستہ ہی چلے تو گھر جاؤں"

دہر کا نقش ہی بدل جائے
ریت بن کر اگر بکھر جاؤں

خوف سمٹا ہوا ہے آنکھوں میں
اپنی پرچھائیں سے بھی ڈر جاؤں

نا تراشیدہ ایک پتھر ہوں
تم تراشو تو میں نکھر جاؤں

وقت تو مجھ کو ساتھ لے کر چل
پشت سے اپنی میں اتر جاؤں

ایسی قسمت بھلا کہاں ہے مری
شام ہوتے ہی اپنے گھر جاؤں

بن کے سورج چمک نہیں سکتا
مثلِ مہتاب ہی ابھر جاؤں

تحفتاً گر قبول ہو اس کو
طشت میں رکھ کے اپنا سر جاؤں

*****

سوکھے ہوئے درخت کے پتّوں کو دیکھنا
پھر چہرۂ حیات کے زخموں کو دیکھنا

خوش رنگئ حیات کا پاؤگے عکس تم
پتھر اچھال کر ذرا لہروں کو دیکھنا

میری نظر میں یہ بھی عبادت خدا کی ہے
شفقت بھری نگاہ سے بچوں کو دیکھنا

اس واسطے میں پاس ہی رکھتا ہوں آئینہ
مشکل ہے اپنی آنکھ سے جذبوں کو دیکھنا

تخریب کائنات کی زندہ مثال ہے
ساحل پہ ٹوٹتی ہوئی لہروں کو دیکھنا

جکڑیں گے ایک دن وہی رشتوں کے جال میں
ہو جائے دھند صاف تو اپنوں کو دیکھنا

*****

رائیگاں مجھ کو بہر طور یہاں ہونا تھا
منحرف خود مرے حصّے کا ہر اک لمحہ تھا

گرم جوشی سے قبول اس نے کیئے تھے تحفے
صبح کو راکھ میں پھینکا ہوا گلدستہ تھا

کر دیا میں نے مقفّل سبھی دروازوں کو
چیختے شہر میں خاموش مجھے رہنا تھا

زندگی کیوں تری چوکھٹ کا پتہ بھول گئی
میری آنکھوں نے حسیں خواب کہاں دیکھا تھا

اب بکھرنے پہ ندامت بھی نہیں ہے مجھ کو
ٹوٹ کر چاہا اسے یہ بھی قصور اپنا تھا

اپنی تہذیب سے اب تک نہیں وہ ہم آہنگ
ٹوٹ کر ملنے کا انداز مگر کیسا تھا

*****

یہاں پہ خوں کی ارزانی بہت ہے
پریشاں نسلِ انسانی بہت ہے

کسی کا غم ہو نم ہوتی ہیں آنکھیں
کھلا کہ جھیل میں پانی بہت ہے

خسارے کا ہے سودا دل لگانا
یہاں دو دن کی مہمانی بہت ہے

کھِلی ہے درد بن کر صحنِ جاں میں
اکیلی رات کی رانی بہت ہے

غلط تشریح منظر کی نہ کرنا
نگاہوں میں ہی عریانی بہت ہے

حسنؔ تشبیہ کیا دوں ان لبوں کی
غزل کا مطلعٔ ثانی بہت ہے

*****

تلخیاں رہ جائیں گی لفظ وفا رہ جائے گا
درمیاں اخلاص کے پھر اک خلا رہ جائے گا

حادثاتِ زندگی پر غور کرنا چاہیئے
چھوٹ جائیگا نوالہ سب پڑا رہ جائے گا

آنگنوں کے درمیاں دیوار جو اُٹھ جائے گی
دھوپ میں اپنا کوئی باہر کھڑا رہ جائے گا

دن کے ہنگامے میں گم ہو جائیگا میرا وجود
آئینے میں مجھ سا کوئی دوسرا رہ جائے گا

اس مسافت کی کبھی تکمیل ممکن ہی نہیں
آنے جانے کا فقط اک سلسلہ رہ جائے گا

دیکھ کر مکروہ سازش گاؤں کی دہلیز تک
سوچتا ہوں میں نظامؔی کیا بچا رہ جائے گا

*****

ہر ایک چہرے پہ جیسے غلاف روشن ہے
طویل کوئی رہِ انحراف روشن ہے

وہ اک چراغ جو میرا ہی پی رہا ہے لہو
مرے ہی طاق پہ میرے خلاف روشن ہے

تمام عمر مسافت میں کٹ گئی میری
اسی سے میری حدِ اعتراف روشن ہے

سلوکِ عہد پہ ہم تبصرہ بھی کرتے چلیں
ابھی فضائے تعلق بھی صاف روشن ہے

وہ پچھلا چہرہ دکھائی تمہیں نہیں دیگا
ہمارے بیچ ابھی اختلاف روشن ہے

حسنؔ جہاں کے تئیں بے خبر نہیں ہوں میں
فصیلِ عہد میں گہرا شگاف روشن ہے

*****

زندگی غمگین ہوتی جا رہی ہے
آرزو رنگین ہوتی جا رہی ہے

چاند تارے آسمانوں میں ٹنگے ہیں
رات کی تزئین ہوتی جا رہی ہے

ظلم پھر پروان چڑھتا جا رہا ہے
ضبط کی توہین ہوتی جا رہی ہے

سمت مشرق دیکھتا ہوں میں اجالا
رات کی تکفین ہو تی جا رہی ہے

شادماں سا ہے نظامیؔ آج کل وہ
روح کی تسکین ہوتی جا رہی ہے

*****

ظلمت ہی پہلے تھی جو حوالے میں رہ گئی
تصویرِ کائنات اجالے میں رہ گئی

آواز دب کے رہ گئی مینار کی بہت
ناقوس کی صدا بھی شوالے میں رہ گئی

آنکھوں کی ہی شراب تھی توبہ شکن ضرور
کچھ اور مئے کی بوند تھی پیالے میں رہ گئی

کرتی ہو موت جیسے تعاقب حیات کا
تتلی گری فضا سے تو جالے میں رہ گئی

بد مزگیِ سلوک کا گہرا اثر ہوا
اک کنکری سی میرے نوالے میں رہ گئی

*****

زخم بچھا کر سویا جائے
بوجھ لہو کا ڈھویا جائے

سب کے اپنے اپنے غم ہیں
کس کی خاطر رویا جائے

بے مصرف سے روز و شب ہیں
لمحہ لمحہ کھویا جائے

زندہ ہوں یا مردہ ہوں میں
جسم میں خار چبھویا جائے

چیخ رہا ہے سارا قریہ
تخمِ خموشی بویا جائے

دھیان ہے دھاگا لفظ ہے موتی
سوچ سمجھ کے پرویا جائے

*****

اس طرح اس کو کبھی میں نے تو سوچا ہی نہیں
یوں ملا جیسے کہ مجھ سے کبھی بچھڑا ہی نہیں

روشنی روشنی میں چیخ رہا ہوں، جیسے
زندگانی کا مری یہ کوئی حصّہ ہی نہیں

غم کے دریا سے گذرنے کی سکت باقی رکھ
یہ تو سیلابِ بلا ہے کہیں رکتا ہی نہیں

تیز رو وقت کے ساتھ آپ چلیں گے کیسے
وہ مسافر ہے کسی موڑ پہ رکتا ہی نہیں

اسکو معلوم ہو کیا دورِ خزاں کی حرمت
پھول بن کر جو کسی شاخ سے ٹوٹا ہی نہیں

خود بھی حیران ہوں اس سمت اٹھے کیسے قدم
جس سے ملنے کا میرا کوئی ارادہ ہی نہیں

*****

بہت ہی خونچکاں ہوتا ہے منظر شام ہوتے ہی
مری آنکھوں میں چبھ جاتا ہے خنجر شام ہوتے ہی

ہمارے ضبط کا لینا ہے اس کو امتحاں شاید
چھتوں پر پھینکنے لگتا ہے پتھر شام ہوتے ہی

کسی کی یاد کی دنیا مگر آباد رہتی ہے
میں ویرانے کا ہو جاتا ہوں منظر شام ہوتے ہی

اجالے میں تعلق کو سدا ملحوظ رکھتا ہوں
وہ کھل کر سامنے آتا ہے اکثر شام ہوتے ہی

نئی اک کیفیت ہوتی ہے طاری جب نگاہوں میں
طلب کا چہرہ ہوتا ہے منور شام ہوتے ہی

ابھرتے ڈوبتے لمحے نگاہوں میں نہیں رہتے
رلاتا ہے بہت غم کا سمندر شام ہوتے ہی

*****

بندگی کا سلسلہ موجود ہے
ہر جگہ ذکر خدا موجود ہے

پا برہنہ چلتا ہے شمشیر پر
غم میں کتنا حوصلہ موجود ہے

زیست کی دیوار ٹوٹے گی ضرور
گمشدہ اک زلزلہ موجود ہے

ٹوٹ جائے گا حصارِ خامشی
ایک منظر خوف کا موجود ہے

نام لکھا ہے ہواؤں پر مرا
پتھروں پہ نقش پا موجود ہے

ایک چہرہ میرے جیسا روبرو
آئینے میں خواب سا موجود ہے

کون کرتا ہے مجھے گمراہ پھر
جسم میں جب آتما موجود ہے

ٹوٹتی رہتی ہے روز و شب حیات
ہر قدم پر کربلا موجود ہے

تانے بانے بُن رہی ہیں مکڑیاں
جیسے کوئی حادثہ موجود ہے

زندہ رکھنے کے لئے مجھ کو حسنؔ
ہر گھڑی اک واقعہ موجود ہے

*****

عجیب ہوتا ہے چاہت سے دل کا رشتہ بھی
کہ حشر کرتا ہے برپا وہ رہ کے تنہا بھی

مُراجعت کا بھی الزام وہم جیسا ہے
یقیں کی حد سے گذرنا ہے ایک دھوکہ بھی

یہ اور بات کہ اس کی سند نہیں دونگا
وفا کی راہ میں جھیلا بہت ہے صدمہ بھی

دکھائی دیتا ہے نقشے میں پھر سیاست کے
ہمارے شہر کا مخدوش اک علاقہ بھی

تمہارے ساتھ چلے میلوں تب ہوا معلوم
تمہارے ساتھ ہی چلتا رہا زمانہ بھی

ہمارے لفظ پہنتے ہیں اب کسے دیکھیں
لباسِ شعر نیا بھی ہے اور پرانا بھی

کسی کی یاد مرے ذہن میں نظامؔی اب
سیاہ رُت میں تبسم کا ہے اجالا بھی

*****

گرد و غبار میں رہا لپٹا ہوا بدن
دن رات مسئلوں سے تھا الجھا ہوا بدن

محرومیٔ نشاط کا کس سے گلہ کرے
چشم سوالیہ ہے سسکتا ہوا بدن

آئینے منتشر ہوئے سارے خیال کے
دیکھا جو میں نے اپنا ہی ٹوٹا ہوا بدن

میرے تصورات میں رقصاں ہے جانے کیوں
جاڑے کی سرد رات میں سہما ہوا بدن

کرنے چلا تھا شغل مرا وہ بھی اختیار
اک دن کے ہی بخار میں ٹھنڈا ہوا بدن

تشنہ لبی کو اور ہوا دے گیا حسنؔ
خاموش جھیل میں وہ تھرکتا ہوا بدن

*****

پہلے نذرِ لب و رخسار کرے گی دنیا
پھر تجھے بر سرِ پیکار کرے گی دنیا

اسکی زلفوں میں الجھ جاؤں گا اک دن میں بھی
مجھ سے اس درجہ اگر پیار کرے گی دنیا

چھوڑ دے گی تجھے ٹکرانے کی خاطر اور پھر
در و دیوار سے انکار کرے گی دنیا

مجھکو منصف کے بھی منصب پہ کرے گی فائز
جھوٹ سے لڑنے کو تیار کرے گی دنیا

مجھکو مصروف بھی رکھے گا کوئی کارِ عبث
کام کچھ آؤں تو بے کار کریگی دنیا

گیسوئے ظلمتِ شب میں کہیں چھپ جاؤں گا
اس سے پہلے کہ گرفتار کرے گی دنیا

میں طلبگار ہوں جینے کا نظامؔی لیکن
جانے کب خواب سے بیدار کرے گی دنیا

*****

ذہن سب کا سوچ کر گندہ ہوا
جسم نو مولود تھا پھینکا ہوا

ذہن دیکھا میں نے اس کا منجمد
اُس نے دیکھا گھر میرا جلتا ہوا

ڈھونڈتی رہتی ہیں نظریں آج بھی
وہ سراپا پھول سا مہکا ہوا

دو قدم چل کر سنبھل پایا نہ تھا
خواہشوں کا پھر کنواں گہرا ہوا

شاخ پھر دیوار سے اونچی ہوئی
باغ کا مالی مگر بونا ہوا

رنگ و روغن چڑھ گئے تہذیب پر
گفتگو کا زہر بھی میٹھا ہوا

صبح اُٹھا تو لگا مجھ کو حسنؔ
دوسرے دن کے لئے زندہ ہوا

*****

میں تیرے غم کا اٹوٹ حصّہ ہوں مت جدا کر
تو اپنے اندر ہی کھو نہ جائے مجھے بھلا کر

حصولِ منزل میں اس کی دشواریاں نہیں ہوں
کیا ہے رستے کو میں نے روشن مکاں جلا کر

تمام رشتے سمٹ سمٹ کر بکھر رہے ہیں
گذر رہے ہیں وہ اپنی نظریں بچا بچا کر

اب اپنے حصے کا قرض واجب نہیں ہے مجھ پر
ملول مت کر کوئی بھی احساں مجھے جتا کر

نگاہیں میری بکھرتے منظر کو دیکھتی ہیں
وہ گھر میں ہے مطمئن گھروندے بنا بنا کر

*****

جب بھی خدا کی ذات سے ہم نے امید کی
تو نے بھی اے حیات! محبت شدید کی

مرہم کسی کے زخم پہ رکھتا نہیں کوئی
باقی ہے ایک رسم سی گفت و شنید کی

اس شہر بد قماش میں ذوق نظر کہاں
کچھ کم نہیں عنایتیں دورِ جدید کی

یارب تو اس زمین پہ پھر اک حسینؑ بھیج
دیتے ہیں لوگ داد سلوکِ یزید کی

منزل ہی میری چشم تصوّر سے کھو گئی
ساحل پہ غرق ہو گئی کشتی امید کی

میں نے بھی اس کی سمت بڑھائے کئی قدم
مجھ سے بھی اس نے ملنے کی خواہش مزید کی

خوش رونقیِ زیست کی خاطر حسنؔ بہت
اپنے بدن سے میں نے حرارت کشید کی

*****

اب تک نہیں ہوا جو اس بار ہو نہ جائے
جملہ ترا دو دھاری تلوار ہو نہ جائے

دیوار و در پہ میرے موسم فراق کا ہے
چلنے کو میرے گھر وہ تیار ہو نہ جائے

مشقِ ستم میں رکھنا ہر حال میں توازن
خنجر میرے جگر کے اس پار ہو نہ جائے

اک آرزو ہے روشن امید اک بندھی ہے
کھڑکی جو اک کھلی دیوار ہو نہ جائے

ہر راستے کو اپنی منزل سمجھنے والو
دو چار گام چلنا دشوار ہو نہ جائے

بے چہرگی پہ تیری نادم نہیں ہوں لیکن
ڈرتا ہوں میں کہ چہرہ اخبار ہو نہ جائے

*****

میں گھر سے ذہن میں کچھ سوچتا نکل آیا
سڑک پہ خوف کا اک سلسلہ نکل آیا

وہ ایک درد شگفتہ گلاب تھا لیکن
بدن پہ زخم سا جیسے نیا نکل آیا

سلگتی دھوپ نے اس درجہ کر دیا بے تاب
مجھی سے سایہ میرا ہانپتا نکل آیا

مجھے وہ رکھتا ہے مصروف کس نزاکت سے
کہ غم سے رشتہ میرا دوسرا نکل آیا

سفید پوشوں کی توقیر کے تحفظ میں
ہمارے شہر کا طبقہ بڑا نکل آیا

وہ ایک لمس تھا اس کا حیات کا ضامن
چھوا جو پیڑ تو پتہ ہرا نکل آیا

*****

طے مجھ سے زندگی کا کہاں فاصلہ ہوا
کانٹوں سے میرے غم کے تھا رستہ بھرا ہوا

ہریالیوں کے واسطے آنکھیں ترس گئیں
ہر کھیت میں ملا ہمیں پتھر اُگا ہوا

اُڑتی ہوئی پتنگ کے مانند میں بھی ہوں
مضبوط ایک ڈور سے لیکن بندھا ہوا

ہر سمت احتجاج کی آواز مر گئی
کس خامشی کے ساتھ یہ محشر بپا ہوا

اس شہر کو فقیر کی جب بد دعا لگی
بارش ہوئی نہ پھر کوئی منظر ہرا ہوا

دیکھا ہے اس کے ساتھ بھی چل کر بہت حسنؔ
لگتا ہے وہ حسین اگر ہو رُکا ہوا

*****

شاخ سے پھول کو پھر جدا کر دیا
زخم پیڑوں کا کس نے ہرا کر دیا

ایک ٹکڑا خوشی کا تھا رکھا ہوا
جانے کس بات نے غمزدہ کر دیا

کیوں تعلق کی بنیاد ڈھہنے لگی
بے یقینی کو کس نے کھڑا کر دیا

پہلے منزل دکھائی مجھے اور پھر
بند چاروں طرف راستہ کر دیا

وقت خود اپنے چہرے سے ڈر جائے گا
میں نے احساس کو آئینہ کر دیا

کون خوش فہمیاں پالتا روز و شب
شکر ہے زندگی نے رہا کر دیا

وقت نے چال کیسی چلی اے حسنؔ
دوست جیسے کو دشمن نما کر دیا

*****

جسم میں جلتا ہوا خوف کا ایندھن جیسے
چھا گیا ہے مرے اعصاب پہ دشمن جیسے

چاندنی خانۂ دل میں تو اترتی ہی نہیں
لگ گیا چاند کو آکاش میں گرہن جیسے

اشک بن کر نہ نکل جائے کہیں درد کی موج
رُک گیا آکے میری آنکھ میں ساون جیسے

شاخِ نازک پہ ہوا ہو کہیں جیسے پتھراؤ
ہو گیا مجھ سے جدا اب میرا بچپن جیسے

جسکے سائے تلے ہم بیٹھ کر روئے تھے بہت
جل گیا دھوپ میں اس پیڑ کا تن من جیسے

دوست دشمن میں کوئی فرق ہی باقی نہ رہا
خود سے بھی ملتا ہوں آئینے میں رسماً جیسے

*****

سڑک کنارے جو تھے وہ گھر ٹوٹ گئے
خواب مرے اندر ہی اندر ٹوٹ گئے

گلشن گلشن جو اتراتی پھرتی تھی
ان کے پر کانٹوں میں الجھ کر ٹوٹ گئے

آنکھوں میں حیرانی ہے تو چونک نہ تو
کرچوں کی صورت سب منظر ٹوٹ گئے

اِک اَن دیکھا سپنا پھر آباد ہوا
کھلی ہوئی آنکھوں کے پیکر ٹوٹ گئے

آنکھوں میں نفرت کے سوا اب کچھ بھی نہیں
پل بھر میں ہی لوگ بکھر کر ٹوٹ گئے

کوئی نہ تھا اب کے باہر کا ہاتھ حسنؔ
اپنے زخم میں اپنے نشتر ٹوٹ گئے

*****

آنکھیں برس رہی ہیں ساون میں دھیرے دھیرے
بادل اتر رہے ہیں آنگن میں دھیرے دھیرے

مجھ میں میرے علاوہ کوئی چھپا ہوا ہے
چہرہ بدل رہا ہے درپن میں دھیرے دھیرے

راہِ حیات پہلے روشن تو ہونے دیجئے
ہو جائے گا وہ ماہر ہر فن میں دھیرے دھیرے

ابرِ بہار پہلے دشت و جبل پہ برسا
بادِ صبا پھر آئی گلشن میں دھیرے دھیرے

آنکھوں سے چھت کی جیسے آنسو ٹپک رہے ہیں
محسوس ہو رہا ہوں الجھن میں دھیرے دھیرے

جب سے میں اپنی قوت پہچاننے لگا ہوں
تفریق بڑھ رہی ہے دشمن میں دھیرے دھیرے

طے کر کے عمر رفتہ محسوس ہو رہا ہے
میں لوٹ آیا جیسے بچپن میں دھیرے دھیرے

*****

پیاس کا عکس پھر بھی لب پر تھا
میری آنکھوں میں ایک سمندر تھا

جس نے مجھ کو بچایا گرنے سے
گھر کی دہلیز کا وہ پتھر تھا

ایسا لگتا ہے حوصلہ میرا
گمشدہ قافلے کا رہبر تھا

میرے سر پر ترے غموں کے پہاڑ
ٹوٹ جاتے اگر تو بہتر تھا

دردِ انسانیت تھا اس میں حسنؔ
لوگ کہتے ہیں وہ پیمبر تھا

*****

آنکھیں برس رہی ہیں ساون میں دھیرے دھیرے
بادل اتر رہے ہیں آنگن میں دھیرے دھیرے

مجھ میں میرے علاوہ کوئی چھپا ہوا ہے
چہرہ بدل رہا ہے درپن میں دھیرے دھیرے

راہِ حیات پہلے روشن تو ہونے دیجئے
ہوجائے گا وہ ماہر ہر فن میں دھیرے دھیرے

ابرِ بہار پہلے دشت و جبل پہ برسا
بادِ صبا پھر آئی گلشن میں دھیرے دھیرے

آنکھوں سے چھت کی جیسے آنسو ٹپک رہے ہیں
محبوس ہو رہا ہوں الجھن میں دھیرے دھیرے

جب سے میں اپنی قوت پہچاننے لگا ہوں
تفریق بڑھ رہی ہے دشمن میں دھیرے دھیرے

طے کر کے عمر رفتہ محسوس ہو رہا ہے
میں لوٹ آیا جیسے بچپن میں دھیرے دھیرے

*****

پیاس کا عکس پھر بھی لب پر تھا
میری آنکھوں میں ایک سمندر تھا

جس نے مجھ کو بچایا گرنے سے
گھر کی دہلیز کا وہ پتھر تھا

ایسا لگتا ہے حوصلہ میرا
گمشدہ قافلے کا رہبر تھا

میرے سر پر ترے غموں کے پہاڑ
ٹوٹ جاتے اگر تو بہتر تھا

دردِ انسانیت تھا اس میں حسنؔ
لوگ کہتے ہیں وہ پیمبر تھا

*****

وہ اپنے گاؤں سے آکر بہک گیا کیسے
لہولہان پرندہ بھٹک گیا کیسے

مہکتی یاد کی خوشبو تھی خانۂ دل میں
کسی کا گلشن ہستی مہک گیا کیسے

وہ اپنے گاؤں میں سادہ مزاج تھا کتنا
پرائے شہر میں آکر سنک گیا کیسے

ہمارے سر پہ تھا ظلمت کا ابر سایہ فگن
تری امید کا سورج چمک گیا کیسے

نہ دوربیں تھیں نگاہیں نہ عزم ہی پایاب
وہ اپنی منزل مقصود تک گیا کیسے

نہ جانے ٹوٹ گئی کیسے احتیاط کی ڈور
نہ جانے سر سے وہ آنچل سرک گیا کیسے

*****

اُلجھن میں مبتلا یوں مری زندگی رہی
ایماں رہا عزیز تو فاقہ کشی رہی

حیرت زدہ تھے لوگ بہت مجھکو دیکھ کر
شامل میری حیات میں دن بھر خوشی رہی

اوپر خلوص برف کی صورت جما رہا
مچھلی حسد کی تہہ میں مگر تیرتی رہی

مجھ سے ملی تو جیسے زباں مل گئی اسے
جب تک وہ میرے پاس رہی بولتی رہی

کُتّے بھی گرم شال لپیٹے نکل پڑے
فٹ پاتھ پر حیات مگر کانپتی رہی

کوئی بھی میرے ساتھ مسلسل نہیں رہا
تیری بھی یاد آئی مگر عارضی رہی

بزمِ طرب میں آ کے مسرت نہیں ملی
دل کے اجاڑ خانے میں بے رونقی رہی

کرب و بلا میں گذری ہے میری حسنؔ حیات
دریا کے پاس رہ کے بھی تشنہ لبی رہی

*****

دل برباد سا گھر نکلا
کاندھے پر بستر نکلا

خود سے ہی خائف ہیں لوگ
رب کا دل سے ڈر نکلا

لمحہ لمحہ ہو کر قتل
خوف کہاں باہر نکلا

شام ہوئی شرمندہ سی
نور کا جب لشکر نکلا

میرے اندر کا انساں
مجھ سے بھی بہتر نکلا

جب بھی کریدا لمحوں کو
زخمی ہر منظر نکلا

گلدستے میں تحفے کے
پوشیدہ پتھر نکلا

*****

ناتواں ہو جائے گا موجِ بلا کا زور بھی
ختم ہو جائے گا ایک دن ساحلوں کا شور بھی

کوئی خوش فہمی نہیں رہتی بہت دن برقرار
پیر اپنے دیکھ کر ہے آبدیدہ مور بھی

وقت کے انصاف کا ڈر دل سے اب جاتا رہا
آج کا انساں ہے خود اپنی نظر میں چور بھی

رات ناگن بن کے مجھ کو ڈس چکی ہے رات بھر
دے نہ پائے گی سکوں لگتا ہے شاید بھور بھی

ذہن میں سجتے نہیں کیوں وہ سہانے خواب سب
جل گئی یادوں کی جیسے اب تو نازک ڈور بھی

بجلیاں ٹوٹیں اُدھر، تھیں جسطرف ویرانیاں
کھلبلی سی مچ گئی کیوں بستیوں کی اور بھی

مرحلے آسان بھی ہیں مرحلے دشوار بھی
ہوں توانا بھی حسنؔ میں اور بہت کمزور بھی

*****

ناتواں ہو جائے گا موجِ بلا کا زور بھی
ختم ہو جائے گا ایک دن ساحلوں کا شور بھی

کوئی خوش فہمی نہیں رہتی بہت دن برقرار
پیر اپنے دیکھ کر ہے آبدیدہ مور بھی

وقت کے انصاف کا ڈر دل سے اب جاتا رہا
آج کا انساں ہے خود اپنی نظر میں چور بھی

رات ناگن بن کے مجھ کو ڈس چکی ہے رات بھر
دے نہ پائے گی سکوں لگتا ہے شاید بھور بھی

ذہن میں سجتے نہیں کیوں وہ سہانے خواب سب
جل گئی یادوں کی جیسے اب تو نازک ڈور بھی

بجلیاں ٹوٹیں اُدھر، تھیں جسطرف ویرانیاں
کھلبلی سی مچ گئی کیوں بستیوں کی اور بھی

مرحلے آسان بھی ہیں مرحلے دشوار بھی
ہوں توانا بھی حسنؔ میں اور بہت کمزور بھی

*****

جل چکا تھا مرے دل کا گھر دھوپ میں
کیسے آتے بھلا چارہ گر دھوپ میں

میل کے پتھروں سے ذرا پوچھ لو
''ہم نے تنہا کیا ہے سفر دھوپ میں''

دیدہ ور عہد کے بے بصر ہو گئے
کھو گئے سارے اہل نظر دھوپ میں

میں تھا لیٹا ہوا فکر کی چھاؤں میں
ذہن پھرتا رہا رات بھر دھوپ میں

ہم ہی کچھ بے نمک بے چمک ہوگئے
سنگریزے بنے ہیں گہر دھوپ میں

چھاؤں ممتا کی آخر سمٹ سی گئی
ہم بھٹکتے رہے در بدر دھوپ میں

اے حسنؔ ہر طرف رنگ سا چھا گیا
جانے کون آگیا بام پر دھوپ میں

*****

راحت کہاں نصیب مجھے ہے دکھوں کے بیچ
میں گھر کے رہ گیا ہوں یہاں غمزدوں کے بیچ

یہ بات بھی نہیں کہ ہے سب سے جدا یہ شہر
ذی ہوش کوئی رہتا نہ ہو پاگلوں کے بیچ

خوش گپیوں میں کھوئے ہوئے دن بھی ہوں طلوع
لمحات کچھ تو گذریں میرے دوستوں کے بیچ

ظلمت زدہ زمین سے روٹھی ہے چاندنی
روتا ہے چاند غم کے سیہ بادلوں کے بیچ

سورج ٹٹولتا ہی رہا نبض کائنات
دنیا تھی میرے دور کی دو اژدہوں کے بیچ

*****

میں بھول جاؤں تمھیں کیسے اجنبی کی طرح
تمہاری یاد درخشاں ہے چاندنی کی طرح

لبوں پہ تیرے تبسم کی جو لکیریں ہیں
میں چاہتا ہوں رہیں ساتھ زندگی کی طرح

تمہاری جھیل سی آنکھیں بھی میں نے دیکھی ہیں
ملے ہو تم مجھے سوکھی ہوئی ندی کی طرح

کسی کو جاننا کمتر عجیب جذبہ ہے
ہمیشہ ساتھ یہ رہتا ہے فلسفی کی طرح

قدم قدم پہ گماں ہے کہ ہوں سراب زدہ
مجھے تو لگتا ہے اثبات بھی نفی کی طرح

تمہارے دامن افلاک کا ستارہ ہوں
بکھر نہ جاؤں کہیں تیز روشنی کی طرح

میں کوچہ گرد کی صورت پھرا جہاں برسوں
اسی دیار میں رہتا ہوں اجنبی کی طرح

*****

آنکھوں سے خواب اس کا چرایا نہ جائے گا
سوئے ہوئے نفس کو جگایا نہ جائے گا

آنکھوں میں جسکی اشک کا قطرہ کوئی نہیں
اس کو کسی بھی طور رلایا نہ جائے گا

خوں کا ہر ایک قطرہ بھی کردوں اگر نثار
مجھ سے تمہارا قرض چکایا نہ جائے گا

غارت گری کی ہوتی نہیں کوئی انتہا
کیا اس کے بعد خون بہایا نہ جائے گا

دستک دیا ہے غم نے تو کچھ بات ہے ضرور
کمرے میں اس طرح تو پرایا نہ جائے گا

اک آہنی فصیل اگر حوصلے کی ہو
امید کا قلعہ کوئی ڈھایا نہ جائے گا

سازش ہوا کی ہوگئی کمزور اے حسنؔ
روشن جو ہے چراغ بجھایا نہ جائے گا

*****

ہر اک گام ایک وحشت چاہتی ہے
نہ جانے کیا قیادت چاہتی ہے

یہ ہستی اک کرامت چاہتی ہے
زمیں پہ استقامت چاہتی ہے

کسی کا اور میں لختِ جگر ہوں
فقط بیوی محبت چاہتی ہے

سحر خوشیوں کی پہنچی انتہا پر
شبِ غم بھی طوالت چاہتی ہے

نشانِ جرم کو اس کے مٹا کر
بیاں مجھ سے عدالت چاہتی ہے

اُسی سے منحرف بھی ہوں حسنؔ میں
بہت جس کو طبیعت چاہتی ہے

*****

پیڑ امید کا جو کاٹا ہے
میں نے اپنے لہو کو چاٹا ہے

میں نے جھانکا ہے اپنے اندر بھی
خامشی کا جوار بھاٹا ہے

پاک رشتے کبھی نہیں مٹتے
رستہ پانی کا کس نے کاٹا ہے

اشتہار آپ ہی سے الفت کا
اپنے چہرے پہ میں نے ساٹا ہے

میں اسے سرفراز دیکھتا ہوں
میرا بیٹا اگرچہ ناٹا ہے

اس کے بستے میں زندگی کا سُکھ
میری جھولی میں لال آٹا ہے

*****

تجھ سے روشن ہے دل کا سفر زندگی
میں ہوں راہی تو ہے رہگذر زندگی

ہم تجھے ٹوٹ کر چاہیں گے عمر بھر
ہم سے جتنا بھی چاہے مُکر زندگی

میں ضیافت میں تیری کروں پیش کیا
کچھ بچا ہی نہیں مال و زر زندگی

دونوں اک دوسرے کی ضرورت ہیں اب
میں ہوں شیشہ تو ہے شیشہ گر زندگی

رہ کے ساحل پہ مت کر نظارہ مرا
ساتھ دریا میں تو بھی اتر زندگی

تو بھی مجھ سے بچھڑ جائے گی ایک دن
میں بھی ہو جاؤں گا در بدر زندگی

تجھ سے صرفِ نظر کر کے پاؤں گا کیا
تجھ کو رکھنی ہے مجھ پہ نظر زندگی

سو گئی ہے نظاؔمی تھکن اوڑھ کر
موت کی گود میں رکھ کے سر زندگی

*****

کہیں بھی دور تک ساحل نہیں ہے
میں ہوں پُر عزم تو مشکل نہیں ہے

ہم ایسے دور میں جیتے ہیں کیسے
بدستِ حال مستقبل نہیں ہے

بندھی ہے پاؤں میں زنجیر غم کی
یہ اک ٹھہراؤ ہے منزل نہیں ہے

پسِ پردہ ہے اک شاداب چہرہ
غموں کی بھیڑ میں شامل نہیں ہے

سلوک منفرد سے یہ کھلا کہ
وہ دشمن ہے مگر قاتل نہیں ہے

بغیر اس کے میں لگتا ہوں ادھورا
وہ اپنے آپ میں کامل نہیں ہے

ہمارے تجربے کا بھی اجالا
ہماری زیست کا حاصل نہیں ہے

*****

گرم ہوا کو کیسی نسبت پھولوں سے
''میرا کیا رشتہ ساون کے جھولوں سے''

ذرا چھوئیں تو ہاتھ ہمارے چھل جائیں
اُگے ہوئے ہیں ایسے زخم ببولوں سے

ہریالی کا عکس کہاں مسموم ہوا
آنکھیں بھر گئیں اپنی ریت سے دھولوں سے

میرے پاؤں کی مجبوری زنجیر بنی
گھرا ہوا ہوں چاروں سمت اصولوں سے

مصنوعی احساس کی ہے غمّاز حسنؔ
دلچسپی اسکی کاغذ کے پھولوں سے

*****

دشوار راستے سبھی آسان ہو گئے
دل میں ہمارے جب سے وہ مہمان ہو گئے

کیوں ٹوٹ ٹوٹ سی گئیں رشتوں کی ڈوریاں
کیوں لوگ اپنے گھر میں ہی مہمان ہو گئے

ایسی درندگی کی بھی ملتی نہیں مثال
انسان اپنے عہد کے حیوان ہو گئے

چنگاری ایک ننھی سی، چھوٹی سی ایک بھول
آباد شہر کتنے ہی ویران ہو گئے

باہر فقط لبادہ شرافت کا رہ گیا
اندر سے کوئلے کی سبھی کان ہو گئے

شعر و ادب سے جن کو تعلق نہ تھا کبھی
ایسے بھی لوگ صاحبِ دیوان ہو گئے

دیکھا جو آئینہ تو نظامؔی ہوا ملال
حالات سے ہم اپنے ہی انجان ہو گئے

*****

رُت ہے ایسی کہ در و بام نہ سائے ہونگے
لوگ پلکوں پہ حسیں خواب سجائے ہونگے

وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں چہرے سارے
آج اپنے ہیں یہی لوگ پرائے ہونگے

لوگ اسی وجہ سے پتھراؤ کیا کرتے ہیں
آپ شیشے کی دکاں خوب سجائے ہونگے

اتنا آساں بھی نہیں تھا یہ حصولِ منزل
حوصلے ہم نے بہت اپنے گنوائے ہونگے

یونہی احساسِ ندامت تو نہیں ان کو حسنؔ
اپنے ہاتھوں سے ہی گھر اپنا جلائے ہونگے

*****

بارش میں بھیگتے ہوئے کجلا گئی ہے آنکھ
پھر خواب دیکھنے کو بھی بہلا گئی ہے آنکھ

ذہنوں میں سبز رنگ کی کرنیں بکھر گئیں
خوشبو تمہاری یاد کی پھیلا گئی ہے آنکھ

اب حادثے پہ شہر کے کچھ بولتی نہیں
اک طرزِ کم نگاہی کا اپنا گئی ہے آنکھ

اب کون میرے خواب میں بستا ہے صبح و شام
آئی ہے کس کی یاد جو شرما گئی ہے آنکھ

آ کر کسی نتیجے پہ ٹھہرا نہیں ہوں میں
اب کے قدم اٹھاتے ہی دھندلا گئی ہے آنکھ

میں دو قدم بھی چل نہیں سکتا ہوں ٹھیک سے
زنجیر میرے پاؤں میں پہنا گئی ہے آنکھ

آہٹ پہ اب کسی کی جھپکتی نہیں پلک
مدّت سے انتظار میں پتھرا گئی ہے آنکھ

شاید میں آج رات کو سو لوں گا نیند بھر
آنسو کسی کی یاد میں برسا گئی ہے آنکھ

*****

آنکھوں میں شوق دید کا منظر اتار دے
جو بھی تھکن ہے جسم سے باہر اتار دے

پھنس جائے گا تو اپنی ہی سازش کے جال میں
دھیرے سے میرے سینے میں خنجر اتار دے

اے روحِ عصر! فیصلہ ہے تیرے ہاتھ میں
غالبؔ سا عہد ساز سخنور اتار دے

یخ ہوتی رُت پہ اب بھی مجھے اعتماد ہے
آنگن میں دل کے دھوپ کی چادر اتار دے

میدانِ کارزار میں ایسا نہ ہو کہیں
تو اپنے مسئلوں کا ہی لشکر اتار دے

بارِ گراں حسنؔ ہے خود اپنا وجود بھی
اب میرے سر سے ذات کا پتھر اتار دے

*****

میری آنکھوں میں کوئی دید کا منظر بھی نہیں
حادثہ شہر کا ہے سوچ سے باہر بھی نہیں

کون بتلائے گا منزل کا مسافر کو پتہ
راستے میں تو کوئی میل کا پتھر بھی نہیں

گھر میں ایسا ہے، نہیں کوئی مجھے روک سکے
اپنی مرضی سے نکل جاؤں یہ بہتر بھی نہیں

کیسے بچ پائے گی توقیر نظامِ ہستی
اب میرے ساتھ ابابیل کا لشکر بھی نہیں

جسکے سائے تلے بیٹھوں وہیں نیند آ جائے
میری بستی میں کوئی پیڑ تناور بھی نہیں

تو بھی زنجیر وفا توڑ کے جا سکتی ہے
بوجھ یادوں کا یہاں اب میرے سر پر بھی نہیں

*****

ابر کی اوٹ سے چاند تکتا رہا
جھیل میں سارا منظر اترتا رہا

کیسے آتی طبیعت میں خوش رونقی
رنگ موسم کا ہر پل بدلتا رہا

گرد آلود ہے آئینہ ان دنوں
عکس جس میں تمہارا چمکتا رہا

مر گیا اس کے اندر کا حسنِ نظر
آئینہ دیکھ کر جو سنورتا رہا

شکل خواہش بدلتی رہی ہر نفس
دائرہ عمر کا روز گھٹتا رہا

میں منوّر نہیں ہو سکا ریت پر
دھوپ میں سارا منظر پگھلتا رہا

*****

اپنی انا کے واسطے کیا کیا نہیں کیے
رونا تھا جس مقام پہ ہم مسکرا دیے

اس طرح بھی حیات بسر اپنی ہو گئی
محفل میں جا کے ہنس لیے گھر آ کے رو لیے

سر پر ہے آسمان نہ پیروں تلے زمیں
اس حال میں بتایئے کب تک کوئی جیے

مجبوریوں کے پاؤں کی زنجیر تم ہوئے
ہم بھی تمہاری یاد میں پتھر کے ہو لیے

سارے بدن پہ پیاس کا بادل برس پڑا
آنکھوں سے نکلے آب کو کب تک کوئی پیے

گم ہو گئے نگاہ سے منزل کے سب نشاں
اندھی ہوا سے بجھ گئے امید کے دیے

حیرت زدہ ہیں لوگ بہت مجھ کو دیکھ کر
میں آ گیا ہوں بھیڑ میں احساس کو لیے

*****

تمہیں پہ نذرِ دل و جان کر کے دیکھتے ہیں
ہم اپنے عشق میں نقصان کر کے دیکھتے ہیں

جو کام کرتے ہیں ہم، بے غرض نہیں ہوتا
اب اپنے آپ پہ احسان کر کے دیکھتے ہیں

ہوا کے دوش پہ رکھ کر چراغ لمحوں کا
خود اپنی ذات پہ قربان کر کے دیکھتے ہیں

مزاجِ شعر و سخن جانے کب بدل جائے
نئے ادب سے بھی پہچان کر کے دیکھتے ہیں

طبیعت اپنی بھی مشکل پسند ہے یعنی
جو کام سخت ہے آسان کر کے دیکھتے ہیں

نظر میں چبھنے لگے ہیں سلوک کے کانٹے
تصورات میں گلدان کر کے دیکھتے ہیں

بہت دنوں سے گرفتار ہیں بلاؤں میں
کھلی فضاؤں میں رومان کر کے دیکھتے ہیں

ذہانت اپنی کریں خرچ سارے گھر کے لئے
ہم اپنے ذہن کو سلطان کر کے دیکھتے ہیں

*****

پھر وا ہے ہمارے قرینِ قیاس تھے
جو ساتھ اپنا چھوڑ گئے لوگ خاص تھے

ایسا نہیں کہ بولتے لمحے اداس تھے
تم دور ہو کے میری نگاہوں کے پاس تھے

کھل کر بھی ہم نہیں تھے کبھی سب پہ منکشف
خوش پوش ہو کے لوگ بہت بے لباس تھے

بے گانگیٔ ذات بنی ایک مسئلہ
ہم جیسے اپنے آپ سے مل کر اداس تھے

طوطے کی پھر اُڑان گئے بھول سب حسنؔ
دو چار روز تک مرے بچے اداس تھے

*****

ہمیشہ دوسروں پہ انحصار مت کرنا
لباسِ فقر کبھی تار تار مت کرنا

یہ مانتا ہوں مسائل کی بھیڑ ہے لیکن
رہِ فرار کبھی اختیار مت کرنا

ہمیشہ ایک سا موسم کہیں نہیں رہتا
تم اپنی آنکھیں کبھی اشک بار مت کرنا

تم اپنے پاؤں کی زنجیر توڑ سکتے ہو
میں اپنی قید میں ہوں انتظار مت کرنا

غریب شہر کی اوقات جانتے ہو تم
تم اپنے خط سے مجھے شرمسار مت کرنا

وقار کھو کے چکانی پڑے بڑی قیمت
خدا کے واسطے وہ کاروبار مت کرنا

*****

پارہ پارہ جسم میں ہوں میں شکستہ مطمئن
دوسرا آئینے میں ہے کون مجھ سا مطمئن

تکتی ہیں ممتا کی آنکھیں راہ میری دور تک
دن ڈھلے جب تک نہ لوٹوں لے کے چہرہ مطمئن

ہُو کا عالم ذہن میں چاروں طرف بکھرا ہوا
شاہراہوں سے گذرتا میں اکیلا مطمئن

میرے حق میں جتنے تھے روشن وہ منظر بجھ گئے
اب نظر آتا نہیں کوئی دریچہ مطمئن

بے حسی غالب ہوئی ہے نفس پر جب سے حسنؔ
مجھکو آتا ہے نظر ہر ایک چہرہ مطمئن

*****

اس طرح اس کو ڈس گیا احساسِ کمتری
افسردگی میں ڈوب گئی ساری زندگی

چبھتی ہے جسم وروح میں ہر لمحہ آج بھی
مجھ جیسے تنگ دست کو زردار کی ہنسی

طوفاں بھی جس کے عزم کو دیتا رہا دعا
راس آئی کیسے اسکو بھلا اپنی خودکشی

کیا زندگی بھی میری طرح غم نصیب ہے
جب بھی ملی وہ مجھ سے تو روتی ہوئی ملی

اپنی اُڑان پر نہ ہو نازاں تو اے پرند!
لمحات انبساط کے ہوتے ہیں عارضی

گھائل جو مجھ کو کر گئی قاتل نگاہ سے
کچھ دور آگے جا کے وہ ششدر کھڑی رہی

*****

آنکھوں میں ہے حالات کی تصویر ہمیشہ
اے کاش! رہے جذبۂ تعمیر ہمیشہ

اک موڑ پہ سب آ کے سمٹ جاتے ہیں رستے
چلتا تو نہیں کوئی بھی رہگیر ہمیشہ

حالات کسی کے کبھی یکساں نہیں رہتے
قائم نہیں رہتی کوئی تاثیر ہمیشہ

آنکھوں میں ہے گذرے ہوئے لمحوں کے ہیولے
سر پر ہے میرے وقت کی شمشیر ہمیشہ

اس فکر کو ایک بار بہ انداز جنوں دیکھ
کٹتی نہیں ہے پاؤں کی زنجیر ہمیشہ

خورشید دل و ذہن میں محفوظ نظامؔی
ہے صحن غزل میں مرے تنویر ہمیشہ

*****

دھوپ میں دن بھر تپتا ہوں
پھر بھی میں ایک سایہ ہوں

چبھتی ہے آنکھوں میں نیند
کانٹوں پر میں سویا ہوں

بے کردار ہوں ایک قصّہ
بے تشبیب قصیدہ ہوں

ملے ہو اتنے دن کے بعد
سچ بولو میں کیسا ہوں

تم بھی آخر بھانپ گئے
اندر سے لرزیدہ ہوں

رات گئے میں خوابوں میں
روتے روتے ہنستا ہوں

کیسے میں وشواس دلاؤں
آپ کی خاطر زندہ ہوں

بے الفاظ ہیں میرے گیت
گونگے کا میں نغمہ ہوں

*****

نہیں منظور اگر موم کو پتھر کہنا
بات سچی ہے تو لازم بھی ہے منہ پر کہنا

تلخ جذبے کو بہا لے نہ کہیں سیل تند
جو بھی کہنا ہو ذرا سوچ سمجھ کر کہنا

شانت رہنے کا طریقہ بھی نہیں سہل رہا
حشر سا اس میں بپا ہو تو سمندر کہنا

اس کی چاہت کی امر بیل ابھی زندہ ہے
بات سچی ہے مگر کان کے اندر کہنا

تم نظامؔی ہو فقط اپنے عمل سے زندہ
ان لکیروں کو کبھی تم نہ مقدر کہنا

*****

برف کی طرح کسی روز پگھل جاؤں گا
تو ہے سورج تجھے چھونے سے ہی جل جاؤں گا

فکر ہے اپنے پرائے کی بہت دامن گیر
پھر بھی گوتم کی طرح گھر سے نکل جاؤں گا

شرط ٹھہری ہے کہ تو چشم کرم سے دیکھے
میں جو قطرہ ہوں سمندر میں بدل جاؤں گا

شب کی تاریک فضاؤں میں چھپو گے کب تک
میں تو سورج ہوں اندھیروں میں نکل جاؤں گا

اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں کی تمازت رکھ دے
سنگ ہوں موم کی صورت میں پگھل جاؤں گا

حادثو! میری نگاہوں سے نہ اوجھل ہونا
تم میرے پاس رہو گے تو سنبھل جاؤں گا

*****

یہ خود غرض کی طرح دور بھاگ جاتا ہے
کہاں سبھوں کو ضمیر آئینہ دکھاتا ہے

جو میرے ذہن میں رہتا ہے فلسفی کی طرح
حیات کو وہ رموز آشنا بناتا ہے

نہ ہوگا اس کی طرح کوئی معتبر دشمن
جو دوست بن کے میرا ظرف آزماتا ہے

میں چاہتا ہوں کہ دیکھے وہ پیچھے مڑ کے خود
پکاروں نام سے اس کو تو روٹھ جاتا ہے

وفا شعار نہیں ہے کسی دیئے کی لو
فضول اپنے چراغوں سے گھر جلاتا ہے

طلوع صبح میں باقی کشش نہیں رہتی
غروب شام مجھے رات بھر رُلاتا ہے

کبھی وہ منزل مقصود پا نہیں سکتا
جو رہبروں کے نشانات کو مٹاتا ہے

*****

یوں گئے راہ میں کرچیاں چھوڑ کر
ہم سسکتے رہے کارواں چھوڑ کر

تلخیاں زندگی کا سہارا ہیں جب
جاؤں گا میں انہیں اب کہاں چھوڑ کر

خوف کا دل میں جنگل ہے موجود اب
بھاگ جاتے تھے ہم بستیاں چھوڑ کر

آزماتے رہے عزم صادق میرا
بیچ دریا میں وہ کشتیاں چھوڑ کر

آنکھ شاداب ہوتی نہیں ہے حسنؔ
کانچ کے خول میں مچھلیاں چھوڑ کر

*****

سفر زندگانی کا لمبا نہیں ہے
مگر کاٹنے سے بھی کٹتا نہیں ہے

ہماری صدی کی ہے پہچان لوگو
کسی جسم پر اپنا چہرہ نہیں ہے

بدلتا ہوا زندگی کا سراپا
کبھی چشم حیرت سے دیکھا نہیں ہے

تو پھر شامل حال ہونے کی ضد کیوں
مرے غم سے تیرا علاقہ نہیں ہے

صدا کیسے دل کی میں اس کو سناؤں
وہ محسوس کر کے بھی رکتا نہیں ہے

فلک پر بچھی ہے شفق رنگ چادر
زمیں پر کوئی چاند اترا نہیں ہے

سنورنے کا اپنا ہے انداز اسکا
کبھی آئینہ اس نے دیکھا نہیں ہے

اُسی طرح ہم راہ تکتے ہیں اس کی
جہاں ہم نے اپنا بسایا نہیں ہے

*****

دل کی دہلیز سے باہر نہیں ہونے دیتا
کوئی ہے جو مجھے بے گھر نہیں ہونے دیتا

آگے بڑھنے کی بھی تحریک دلاتا ہے مجھے
پیچھے مڑنے پہ بھی پتھر نہیں ہونے دیتا

میرا سایہ بھی حریفوں کی طرح لگتا ہے
اپنے ہی قد کے برابر نہیں ہونے دیتا

ساری دنیا کو نئی راہ دکھاتا میں بھی
قافلہ غم کا ہی رہبر نہیں ہونے دیتا

زندگی آج بھی ہے میرے لئے 'وش منتھن'
اس کا عرفان ہی شنکر نہیں ہونے دیتا

مفلسی غم کو منور نہیں ہونے دیتی
خواب تعبیر کو بہتر نہیں ہونے دیتا

لوٹ آتی ہے ہنسی لب پہ مرے شام ڈھلے
مجھ کو مغموم وہ دن بھر نہیں ہونے دیتا

اپنی پہچان ضروری تھی نہیں تو اے حسنؔ
چاہ کر وہ مجھے ہمسر نہیں ہونے دیتا

*****

سلگتی ریت پہ اپنی زبان رکھ دینا
غموں کی شکل میں سارا جہان رکھ دینا

بجھا کے قطرۂ شبنم سے پیاس ہونٹوں کی
مٹا کے پل میں سمندر کی آن رکھ دینا

کہیں نہ جوش میں اپنا ہی گھر جلا ڈالے
خرِد کے واسطے اک پاسبان رکھ دینا

نباہ سکتا نہیں ذمّہ داریٔ دنیا
نحیف دوش پہ مت آسمان رکھ دینا

تو میرے پاس ہے دل کو یقیں نہیں ہوتا
یہ کیا ہے راہ میں بھاری چٹان رکھ دینا

نظاؔمی لوٹ کے دفتر سے اپنے کمرے میں
تم اپنے حصّے کی ساری تکان رکھ دینا

*****

حوصلہ لمحۂ منفی نے بہت پست کیا
جل چکا شہر تو پھر حاکموں نے گشت کیا

گلستاں سے کوئی خوشبو نہیں ملنے والی
سنگ کی طرح طبیعت کو بہت سخت کیا

ٹھوکریں کھا کے بھی وہ گرتا رہا آنکھوں سے
اُس کو کچھ نشۂ حیرت نے بھی بدمست کیا

اپنے جملے کی نزاکت سے ہوا خود گھائل
طنز کے تیر کو جس شخص نے پیوست کیا

سرکشی اس کی طبیعت میں نہیں ہے باقی
خام جذبے کو حسنؔ میں نے ہی دولخت کیا

*****

چڑھ کے سر جب عدو بولتا ہے
مجھ میں میرا لہو بولتا ہے

جس کو پاگل سمجھتے ہو لوگو
اک وہی رو برو بولتا ہے

لب کی خاموشیوں پر نہ جاؤ
دل کے اندر لہو بولتا ہے

یہ تخاطب میسّر ہے مجھ کو
پیار سے کوئی "تُو" بولتا ہے

تیرا کردار گر آئینہ ہے
آئینہ ہو بہو بولتا ہے

تنگ ہے زیست کا کتنا دامن
پیرہن کا رفو بولتا ہے

*****

بکھر گئی ہے یہاں ہر طرف سحر کی دھوپ
چمک رہی ہے ترے ہاتھ کے ہنر کی دھوپ

ہر ایک حال میں مجھ کو پگھل ہی جانا ہے
ترے بدن کی ہو آتش کہ ہو سفر کی دھوپ

جھلس نہ جائے کہیں دامنِ ہنر میرا
تنی ہے مجھ پہ کسی صاحب نظر کی دھوپ

ترے وجود سے ہے میری زندگی معمور
بغیر شمس کے ہوگی کہاں قمر کی دھوپ

ترس رہا ہے حرارت کے واسطے سبزہ
چھتوں سے نیچے اترتی نہیں شجر کی دھوپ

جہاں بھی جاؤں مرے سر پہ ہے کھڑا سورج
مرے نصیب میں جیسے ہو دوپہر کی دھوپ

*****

تشہیر کی طلب میں بیمار لگ رہا تھا
قصّے کا کوئی گھائل کردار لگ رہا تھا

زخم جگر کا ہوتا بھی اندمال کیسے
خنجر اسی جگہ پر ہر بار لگ رہا تھا

اپنے ہی بیچ میں نے دیوار اونچی کر لی
ہر روز کا یہ جھگڑا بے کار لگ رہا تھا

گردوں کا ہر نظارہ تھا اشتیاق سے پُر
کھل کر بھی مجھ پہ وہ پُر اسرار لگ رہا تھا

رستہ مکانِ دل سے اس کے مشامِ جاں تک
آئینۂ وفا میں ہموار لگ رہا تھا

ساحل پہ ڈال دینا لنگر تھی بے وقوفی
لہروں کے ساتھ چل کر ہشیار لگ رہا تھا

*****

ہو جرم کوئی، ہے ممکن معاف ہو جانا
مگر ضمیر کا میرے خلاف ہو جانا

یہی تو جرم ہے ہم دونوں جس کے مجرم ہیں
تعلقات میں گہرا شگاف ہو جانا

یہی تقاضۂ تہذیب دوستی ہے کیا
ذرا سی بات پہ میرے خلاف ہو جانا

تسلیوں کے یہ دو بول قیمتی ہیں بہت
ٹھٹھرتے جسم پہ جیسے لحاف ہو جانا

ہے احتیاط ضروری نہیں تو ممکن ہے
ذرا سی چوٹ پہ دل میں شگاف ہو جانا

یہی تو جیت کی معراج ہو گئی میری
شکستگی کا اسے اعتراف ہو جانا

*****

جنوں خلافِ خسارہ بچا رہا ہے مجھے
چمکتی آنکھ کا تارا بچا رہا ہے مجھے

تباہ کرنے کو تیار ہیں بلائیں پھر
ترے کرم کا اشارہ بچا رہا ہے مجھے

کہیں پہ جان کا دشمن بنی ہے خاموشی
کہیں پہ ذکر تمہارا بچا رہا ہے مجھے

تمہاری آنکھ میں غرقاب ہو بھی سکتا تھا
زوال شب کا نظارہ بچا رہا ہے مجھے

الگ یہ بات مکمل نہیں کیا قرآن
پڑھا جو ایک ہی پارہ بچا رہا ہے مجھے

میں اپنے جسم کے سائے سے بھی ہوں لرزیدہ
مرا یقین ہے سہارا بچا رہا ہے مجھے

*****

غم کتابِ زندگی کا سارا صفحہ کھا گیا
ناتواں اک جسم کو بیٹی کا صدمہ کھا گیا

تنگ کمرے میں سمٹ کر رہ گئی میری حیات
عافیت کا جو تھا گوشہ زرد لمحہ کھا گیا

تنگدستی نے اسے اس درجہ کمتر کر دیا
منہ سے سگ کے چھین کر روٹی کا ٹکڑا کھا گیا

ریت کے انبار میں پھر کھو گیا اس کا وجود
منظرِ ریگِ رواں سے سانپ دھوکا کھا گیا

وقت کی دہلیز پر کب تک صدائیں دیں حسنؔ
میرے حق کا فیصلہ منصف ہی میرا کھا گیا

*****

تمدن کو زیر و زبر دیکھتے ہیں
روایت سے ہٹ کر اگر دیکھتے ہیں

جبیں دیکھتے ہیں نہ سر دیکھتے ہیں
جو اہل نظر ہیں ہنر دیکھتے ہیں

تصور کی دنیا میں غرقاب ہیں جو
کدھر دیکھنا تھا کدھر دیکھتے ہیں

فضا میں بکھیری گئی گرد کا ہی
زمیں سے فلک تک اثر دیکھتے ہیں

نگاہیں ٹکی ہیں صداؤں کی جانب
تجسس میں رنگِ سحر دیکھتے ہیں

دکھائی نہیں کچھ بھی دیتا ہے آگے
سرِ راہ گرد سفر دیکھتے ہیں

محبت کی توقیر رکھنی ہے ہم کو
نہیں دیکھنا تھا مگر دیکھتے ہیں

خسارے کے موسم میں ہم کیوں نظامیؔ
منافعے کا برگ و ثمر دیکھتے ہیں

*****

بٹوارے کا حصّہ تکتا رہتا ہوں
اپنے گھر کا ملبہ تکتا رہتا ہوں

شاید اک دن میری قسمت جاگے گی
کعبے کا میں طغرہ تکتا رہتا ہوں

تو نے جب سے مجھ کو اپنا مانا ہے
آئینے میں چہرہ تکتا رہتا ہوں

مایوسی کی چادر اوڑھے آنگن میں
اپنے گھر کا زینہ تکتا رہتا ہوں

پتھر کس دم کس جانب سے آجائے
اپنے دل کا شیشہ تکتا رہتا ہوں

اک مانوس سی آہٹ آتی رہتی ہے
ہر لمحہ دروازہ تکتا رہتا ہوں

ساحل پر منظر ہی ایسا ہوتا ہے
بادل کا ہر ٹکڑا تکتا رہتا ہوں

ساون کے بھیگے موسم میں، میں اکثر
بارش کا ہر قطرہ تکتا رہتا ہوں

*****

موج در موج زندگانی ہے
ریت کی تہہ میں بھی روانی ہے

دوسروں کے لئے میں زندہ ہوں
وصف میرا یہ خاندانی ہے

تیری آنکھوں کو دیکھ کر یہ لگا
گہرے دریا کا خشک پانی ہے

تیرے ہی نام سے ہیں سب منسوب
میری اپنی کوئی کہانی ہے ؟

ربط جس سے ہے جس قدر گہرا
اُس سے اتنی ہی بدگمانی ہے

ایک مرکز پہ رُک نہیں سکتی
میری قسمت میں لا مکانی ہے

سازِ ہستی کو چھیڑنا ہوگا
جب تلک سوزِ زندگانی ہے

سبز گفتار پہ نہ جاؤ تم
ذہنیت اس کی زعفرانی ہے

روزگارِ حیات کی خاطر
مضطرب حلقۂ زمانی ہے

*****

مری نگاہ میں پُر کیف استعارہ ہے
تمہاری آنکھ ہے یا جھیل کا کنارہ ہے

وجود اس کا بھی گردش میں آ گیا ہوگا
سکوتِ آب کو پتھر کسی نے مارا ہے

ہمارے پاؤں اچانک ہی رُک گئے کیسے
کسی نے دور سے شاید ہمیں پکارا ہے

میں انحراف کروں ذات سے تری کیونکر
مجھے قبول ہے تو نے مجھے نکھارا ہے

قسم کھلائی تھی واپس نہ لوٹنے کی کبھی
اسی نے پیار سے پھر کس لئے پکارا ہے

نہ جانے کب کہاں قصّہ تمام ہو جائے
حیات اردو جریدے کا اک شمارہ ہے

ترے ہی قرب سے روشن ہے گوشۂ ماضی
تری ہی یاد مری زیست کا سہارا ہے

حسنؔ جو بیت گیا اس کو جانئے بہتر
جو سامنے ہے وہ تہذیب کا خسارہ ہے

*****

سرخروئی ملتی ہے جاں نثار کرنے پر
غم کا یہ گھنا جنگل چل کے پار کرنے پر

دل کا بوجھ جیسے کہ ہو گیا ہو کچھ ہلکا
اپنی چشم بینا کو اشکبار کرنے پر

چشم پوشی کرنے سے رنج کچھ بڑھے گا اور
دل مرا ہے آمادہ آشکار کرنے پر

شہر کی تباہی کے ذمّہ دار تھے جو لوگ
جُٹ گئے ہیں حالت کو خوشگوار کرنے پر

آپ قتل کر کے بھی باوقار کہلائیں
ہم ہدف عدو کے ہیں دل شکار کرنے پر

گردِ رہ میں ہستی کو کھو چکا نظامؔی میں
درد اور بڑھتا ہے غم شمار کرنے پر

*****

اس رات کا مخدوش سفر کس کے لئے ہے
آنکھوں میں مری خوابِ سحر کس کے لئے ہے

کس شخص کے سر پر ہے اُگا جون کا سورج
رستے میں تناور سا شجر کس کے لئے ہے

کیوں بکھری ہے شانے پہ تیری زلف گرہ گیر
لے مجھ سے مرا دستِ ہنر کس کے لئے ہے

کس شخص سے مجروح ہوئی اس کی طبیعت
وہ آج تلک شہر بدر کس کے لئے ہے

کس شخص کی آمد پہ سجے ہیں در و دیوار
مہکی ہوئی یہ راہ گذر کس کے لئے ہے

*****

وہی تو باعث صد دلکشی ہے
ہمارے شہر میں جو اجنبی ہے

علامت زندگی کی مر گئی ہے
یہ کیسا عہد ہے کیسی صدی ہے

تیرے چہرے پہ رقصاں ہے تبسم
مری آنکھوں میں ساعت کانپتی ہے

گھروں سے یہ چلی آئی سڑک پر
ہمارے ساتھ ہردم خامشی ہے

رہوں مصروف بے مصرف ہمیشہ
اسی کا نام شاید زندگی ہے

کلائی کی گھڑی بھی سست ہوگی
نظامؔی کی طرح چلتی رہی ہے

*****

رہتے ہیں دور بچے ہماری نگاہ سے
بچتے نہیں اسی لئے جرم و گناہ سے

بس اک نگاہ مدّ مقابل سے کیا ہٹی
شمشیر چھین لی گئی دستِ سپاہ سے

ٹھوکر میں تخت و تاج کو رکھتے تھے ہم کبھی
رشتہ ہمارے سر کا تھا جب تک کلاہ سے

آئے گا جو بھی زد میں گرے گا درخت وہ
مطلب نہیں ہوا کو کسی رسم و راہ سے

کمزوریوں سے میری وہ واقف تھا اس لئے
نقصان میرا صرف ہوا خیر خواہ سے

*****

یہ کیسے خطّے میں بوئی تھیں نیکیاں ہم نے
ہر ایک گام میں جھیلی ہیں سختیاں ہم نے

ہمارے بیچ ابھی تک تناؤ باقی ہے
بنائے رکھی ہیں قربت میں دوریاں ہم نے

سلگتی ریت کا منظر تھا ساحلوں کی طرف
خود اپنے ہاتھوں ڈبوئی ہیں کشتیاں ہم نے

نظارے اور نظر میں فساد جاری ہے
کیوں ایسے وقت میں کھولی ہیں کھڑکیاں ہم نے

ہمارے ساتھ رہوگے تو مضمحل ہو گے
قدم قدم پہ سمیٹی ہیں کرچیاں ہم نے

حسنؔ غموں سے ہیں آباد ذہن و دل یعنی
اجاڑ شہر میں دیکھی تھی بستیاں ہم نے

*****

لاؤں کہاں سے دوسرا منظر شہاب سا
آنکھیں تھیں اس کی جھیل سی چہرہ گلاب سا

کس سمت سے صدائے بلالی سنائی دی
صحرا میں زندگی کا تصور ہے خواب سا

میں نے اسی سے راہِ ہدایت نکال لی
بیتا ہوا جو وقت تھا مجھ پر عذاب سا

ذرّے کو ماہتاب بنانے کے واسطے
چلتا ہے میرے ساتھ کوئی آفتاب سا

اب لوٹ آ تو اپنے پرانے مکان میں
یہ دل ترے بغیر ہے خانہ خراب سا

رنگینیٔ حیات کا احساس دے گیا
تیرا خموش رہنا ہے مثبت جواب سا

*****

مہر پچھتایا روشنی کر کے
چاند مایوس چاندنی کر کے

جس نے ظلمت کی اوڑھ لی چادر
برہنہ ہوگا روشنی کر کے

چاہتے ہیں فلاحِ انساں تو
دیکھئے خود کو آدمی کر کے

ہر جگہ تو ہی تو ہے جلوہ فگن
تجھ کو پایا ہے بندگی کر کے

جانے کیوں یہ خیال آیا ہے
دیکھ لوں خود سے دوستی کر کے

کوئی شئے اہمیت سے خالی نہیں
دیکھئے اس کو لازمی کر کے

بے تعلق تھا دوست ہو کر بھی
ساتھ میرے ہے دشمنی کر کے

*****

گھر کی دہلیز تلک کیسے کوئی آئے اب
جھانکتے رہتے ہیں اکثر مرے ہمسائے اب

جب سے دیوار گرا دی ہے مرے دشمن نے
مرے آنگن میں اترتے ہی نہیں سائے اب

نئے انداز سے پھر سوچ کا پیکر ابھرا
دیکھئے سب سے الگ اپنی یہاں رائے اب

کاسۂ خواہش و امید تو بھرتا ہی نہیں
دامنِ جہد کوئی کتنا بھی پھیلائے اب

میں زمیں پر نہیں رکھتا کبھی اس ڈر سے پاؤں
جانے کس جا سے کوئی ہاتھ نکل آئے اب

میں کسی طور سے اب اس کا نہیں ہو سکتا
بھیجے سوغات وہ یا حکم نفی لائے اب

کیوں کوئی روشنی آئے کہ انا بیچ میں ہے
گھر کی دیوار سے سر جتنا بھی ٹکرائے اب

*****

اگر خدا کا جہاں پہ کرم نہیں ہوتا
کوئی بھی شخص کہیں محترم نہیں ہوتا

تری خوشی کے لئے مسکراتا رہتا ہوں
نہیں تو دُکھ ترے جانے کا کم نہیں ہوتا

زمانہ کب کا فراموش مجھ کو کر دیتا
جو میرے ہاتھ میں اپنا قلم نہیں ہوتا

مواقع پھولنے پھلنے کے ہیں جرائم کے
کہ جڑ سے جرم کا پودا قلم نہیں ہوتا

امیر وقت کو معلوم ہے حسنؔ صاحب
غریب شہر کا قصّہ رقم نہیں ہوتا

*****

ساتھ ہم چلیں گے یہ اعتبار جھوٹا ہے
خود غرض مسافر کا انتظار جھوٹا ہے

آنکھ دیکھتی ہے جو سب نظر کا ہے دھوکہ
اس کی بات جھوٹی ہے اس کا پیار جھوٹا ہے

کام اس کی مرضی سے سب تمام ہوتا ہے
ہاتھ میں جو ہے میرا اختیار جھوٹا ہے

ہار جیت کا کوئی رہ گیا نہیں مطلب
اس کی جنگ جھوٹی ہے اس کا وار جھوٹا ہے

میں نے بھی الگ دنیا کر لی ہے حسنؔ قائم
وہ ہے واسطے میرے بے قرار جھوٹا ہے

*****

تب زمانہ مجھے خوش لقب بولتا
بے ادب کو جو میں با ادب بولتا

فکر کے آئینے گرد آلود تھے
کس کے کردار کو مستحب بولتا

ذہن نو سے مری ہے شکایت یہی
جرم کرتا مگر با ادب بولتا

چپ ہے تو جیسے ہے ایک عالم خموش
بولتا جب کبھی تو غضب بولتا

ہوتی اپنائیت کی مہک بھی ذرا
پیار سے کوئی ''تو'' کا لقب بولتا

ایک حسرت تھی جو نا مکمل رہی
چھیڑتا مجھکو وہ بے سبب بولتا

مجھ کو آتا سلیقے سے جینا اگر
کیوں زمانہ مجھے بے ادب بولتا

*****

نام کے ساتھ جو القاب سمجھ میں آئے
زندگی کے ہمیں آداب سمجھ میں آئے

آخری سانس تک امید کے روشن تھے چراغ
زندہ رہنے کے بھی اسباب سمجھ میں آئے

جگنوؤں سے تو اندھیرا نہیں چھٹنے والا
کیوں ہے روپوش وہ مہتاب سمجھ میں آئے

دوستی کا جو بھرم کھل گیا ہم پر اک دن
تب ہمیں منصب احباب سمجھ میں آئے

خانۂ دل میں اتر آئے تری یاد کبھی
کاش تو صورت مہتاب سمجھ میں آئے

جب تری پیاس لبوں پر لئے دیکھوں میں تجھے
آب میں ہوں کہ سرِ آب سمجھ میں آئے

خشک تالاب میں ہلچل ہے نظامؔی لیکن
پہلے یہ مرکز گرداب سمجھ میں آئے

*****

ہر طرف شعلگی، زخم، بارود ہے
خوبصورت جہاں گرد آلود ہے

ختم ہوتی نہیں ہے مسافت کبھی
راستہ میری منزل کا مسدود ہے

جتنی ہیں میری پرواز کی رفعتیں
میرا آکاش اتنا ہی محدود ہے

صبح کی ساری رعنائیاں اس کے نام
شامِ غم میرے حصّے میں موجود ہے

سرخرو کر مجھے یا کہ شرمندہ کر
میرا تو ہی خدا تو ہی معبود ہے

حوصلہ۔ میں کروں کیسے پرواز کا
بال و پر کا تصور ہی مفقود ہے

*****

رُخ شفق کا اُبھرنے والا ہے
چڑھتا سورج اترنے والا ہے

پتھروں میں تلاش ہے جاری
ریزہ ریزہ سنورنے والا ہے

رات دن کی مشقتیں بے جا
لمحہ لمحہ بکھرنے والا ہے

اعتراضات اس کے ہیں جائز
کوئی حد سے گذرنے والا ہے

پھول پتّی شباب مہر و ماہ
رنگ سب کا اترنے والا ہے

کس پہ اب اعتبار کرتا میں
میرا سایہ مکرنے والا ہے

کون ہے جھیل کے کنارے اور
کس کا چہرہ ابھرنے والا ہے

*****

رشتہ دل کا ہمارا ٹوٹ گیا
آنکھ سے گر کے تارا ٹوٹ گیا

جیسے شیشے کا ہو بدن اس کا
ایک جھٹکے میں سارا ٹوٹ گیا

رزق برکت کا ہم کمانے لگے
زورِ خوف خسارہ ٹوٹ گیا

کس کی آنکھوں سے ہیں رواں آنسو
کس کا روشن ستارہ ٹوٹ گیا

عکس پانی میں کیوں نہیں ابھرا
لگ رہا ہے کنارہ ٹوٹ گیا

دھوپ چھاؤں کا کھیل ختم ہوا
مہر ڈوبا نظارہ ٹوٹ گیا

جوڑ کر میں نے جس کو رکھا تھا
آئینہ وہ دوبارہ ٹوٹ گیا

*****

سمندروں کا کنارہ ہے ٹوٹنے والا
گذر بسر کا سہارا ہے ٹوٹنے والا

بدن کی ساری طنابیں بکھرنے والی ہیں
مکان سارے کا سارا ہے ٹوٹنے والا

بکھر نہ جائے یہ تارِ نفس بھی گھر کی طرح
چہار سمت نظارہ ہے ٹوٹنے والا

اسی میں اپنے چمکتے ہیں سارے اہل وعیال
ہماری آنکھ کا تارا ہے ٹوٹنے والا

نظر سے رمز بیاں ہو رہا تھا کیا کیجئے
بڑا لطیف اشارہ ہے ٹوٹنے والا

الاؤ تیز کرے کوئی سرد راتوں کا
بخارِ زیست کا پارا ہے ٹوٹنے والا

نشانِ سرخ کا مطلب بھی تم سمجھتے ہو
مکاں ہمارا تمہارا ہے ٹوٹنے والا

*****

ذہن گرد و غبار سے باہر
نخل اک ریگزار سے باہر

جاں بچاؤ کہ ہو رہی ہے اب
راہ، رفتار، کار سے باہر

ہے سیاست کی کار فرمائی
سب ہیں قول و قرار سے باہر

ساری خلقت کا رہنما بن کر
آپؐ نکلے تھے غار سے باہر

کوئی غم خوار پھر نہیں ہوگا
گر ہوئے تم مدار سے باہر

چیختے چیختے ہوا خاموش
زخم تن پر شمار سے باہر

*****

شیشے کا اک مکان مرے ذہن میں بھی ہے
پتھر کی داستاں مرے ذہن میں بھی ہے

منظر لہولہان مرے ذہن میں بھی ہے
جلتا ہوا جہان مرے ذہن میں بھی ہے

دل کی شکستگی سے پریشاں تمہیں نہیں
ٹوٹا ہوا مکان میرے ذہن میں بھی ہے

اشکوں سے دُھل بھی سکتی ہے دل پر جمی یہ دھول
یہ آپ کا گمان مرے ذہن میں بھی ہے

پھولوں پہ رقص کرتی ہوئی تتلی دیکھ کر
چھوٹا سا آسمان مرے ذہن میں بھی ہے

طغیانئ حیات سے واقف ہوں میں حسنؔ
سلطانِ بے امان مرے ذہن میں بھی ہے

*****

دنیا زیر آب بھی ہے
روشن جس کا باب بھی ہے

دوری قائم رکھتا ہے
ملنے کو بے تاب بھی ہے

دہشت جس کی ہے تعبیر
آنکھوں میں اک خواب بھی ہے

جانا بھی ہے ساحل تک
دریا میں گرداب بھی ہے

تم ہو سمندر سچ ہے یہ
لیکن تم میں آب بھی ہے؟

کاشفؔ میرے دل کا سکوں
دھڑکن میں زرتابؔ بھی ہے

راہِ سفر میں تم ہی نہیں
گردش میں مہتاب بھی ہے

جیون کی میری کشتی
تیرتی بھی غرقاب بھی ہے

*****

لذّتوں کا یہ دشتِ بلا اور میں
بارشوں میں پگھلتی ہوا اور میں

آگ اور آب کے بیچ کا راستہ
شادمانی کا ہے سلسلہ اور میں

خوف کا شائبہ کیسے حارج ہوا
بند کمرے میں تو، آئینہ اور میں

سبز سارے مناظر ہوئے گمشدہ
سر پہ ظلمت کی کالی گھٹا اور میں

واہوئے تب کہیں جا کے منزل کے در
اک اکائی بنے جب دعا اور میں

تار احساس کے ٹوٹ جائیں گے کیا
ٹھہری ٹھہری سی پاگل ہوا اور میں

تجربہ تجربہ زندگی ہے مری
روبرو ہوگئے آئینہ اور میں

*****

بھولنے کی مجھکو کوشش بارہا کرتے رہے
گھنٹوں جس کی ذات پر ہم تبصرہ کرتے رہے

رکھ کر ظلمت کے گھنیرے بادلوں کے درمیاں
مجھ پہ روشن زندگی کا تجربہ کرتے رہے

دھوپ کمرے کے ہر اک گوشے میں پھیلے اس لئے
نصب ہر دیوار میں ہم آئینہ کرتے رہے

جنکا عزم حیدری سے دور کا رشتہ نہیں
اپنی ہستی کو شریک کربلا کرتے رہے

پیڑ کے سائے میں تھک کر ہم کبھی بیٹھے نہیں
بازی اپنی ہار کر بھی حوصلہ کرتے رہے

*****

ندی کا سیل ادھر سے اُدھر سے گذرے گا
کنارے آنے سے پہلے بھنور سے گذرے گا

میں اپنی پیاس کی شدت بڑھا رہا ہوں ابھی
سنا ہے ایک سمندر اِدھر سے گذرے گا

کبھی گمان میں آیا نہیں تھا انساں کے
رہے گا فرش پہ لیکن قمر سے گذرے گا

جو کام ہم نے کیا ہے یہاں پہ نیک و بد
بروز حشر وہی سب نظر سے گذرے گا

تم اپنا نقشہ جدھر سے بھی چاہو بنوا لو
تمہارا رستہ ہمارے ہی گھر سے گذرے گا

تمام لوگ تھے مصروف ریگِ ساحل پر
کسے خبر تھی کہ پانی یہ سر سے گذرے گا

ہجومِ جاہلاں چلتا رہے گا ساتھ اس کے
مداری والا جہاں سے جدھر سے گذرے گا

*****

کسمساتی زندگانی ہے تو ہے
مجھ پہ اس کی حکمرانی ہے تو ہے

رنگ میرا سرخ دھانی ہے تو ہے
اس کی صورت آسمانی ہے تو ہے

ایک مدّت سے ہوں اس سے ہمکلام
ساتھ اس کے بے زبانی ہے تو ہے

اک تصور خواب بن کر رہ گیا
پہلے سے جو لا مکانی ہے تو ہے

کون کس کو دیکھ کر ہوتا ہے شاد
رسم اک جیسے پرانی ہے تو ہے

پار مجھکو کرنا ہے ہر حال میں
جوشِ دریا میں روانی ہے تو ہے

*****

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

نظر کے سامنے آتے ہی چہرۂ زیبا
صدائے عشقِ بلالی اذاں میں پھیل گئی

میں دیکھ سکتا نہیں صاف گھر کے آنگن کو
یہ کیسی دھوپ مرے سائباں میں پھیل گئی

ہر ایک شخص مخاطب حسنؔ تری جانب
غضب کی چاشنی تیرے بیاں میں پھیل گئی

*****

پُر فریب و پُر لطافت خوش نظارہ کیا ہوا
تھا یہیں اک خوبصورت گھر ہمارا کیا ہوا

ہم نہ کہتے تھے کہ اس سے دوستی اچھی نہیں
کر لیا آخر کو تو نے بھی کنارہ کیا ہوا

ہو گئی بے نور جیسے کائناتِ شب تمام
آسماں تھا جس سے روشن وہ ستارہ کیا ہوا

ریت ہر دم ڈھک رہی تھی جسم عریاں پر لحاف
کر رہی تھی موج بھی اٹھ کر اشارہ کیا ہوا

روزیؔ داورؔ آ گئے ہیں اپنے مکتب سے جناب
کیوں نہیں آیا ابھی تک میرا داراؔ کیا ہوا

جذبۂ اخلاص ہے یا مصلحت کوشی کوئی
مجھ سے ملنے آ گئے تم کیوں دوبارہ کیا ہوا

کاروبارِ زندگی میں ہم کہاں ہیں کامیاب
ہو گیا ہے دوستی میں پھر خسارہ کیا ہوا

میں نے اپنا طرز اس سے مختلف رکھا ضرور
وقت لیکن ساتھ اس کے ہی گذارا کیا ہوا

*****

کہرا نہیں ہے سر پہ یہ بادل ہے پیار کا
لپٹا ہوا ہے گرد میں پاگل ہے پیار کا

جو بھی ملا اسیر ہوا اس کے دام میں
وہ آدمی ہے یا کوئی جنگل ہے پیار کا

ماں کی طرح شفیق جہاں میں نہیں کوئی
شفقت سے پُر ہیں ہاتھ تو آنچل ہے پیار کا

لپٹے ہوئے ہیں ان سے سبھی سانپ کی طرح
ماں باپ کا وجود بھی صندل ہے پیار کا

دُھلتا نہیں ہے اشکوں کی برسات سے کبھی
آنکھوں میں کتنا گہرا یہ کاجل ہے پیار کا

جتنا سمجھ رہا ہے زمانہ اسے حقیر
رتبہ جہاں میں اُتنا ہی افضل ہے پیار کا

جب چاہو نفرتوں کی ردا پھینک دو حسنؔ
ہر لمحہ قربتوں کا ہے ہر پل ہے پیار کا

*****

کہتے ہو جسکو پیار وہ دلدل ہے پیار کی
پاکیزگی نگارشِ اول ہے پیار کی

تھک ہار کے میں گھاس کے بستر پہ سو گیا
آغوش بھی زمین کی، مخمل ہے پیار کی

احساس کی جلاؤ جو قندیل تو دکھے
پاکیزہ درمیان میں ململ ہے پیار کی

مشہور اس قدر ہے زمانے میں اب یہ پیار
ہر شہر ہر دیہات میں ہلچل ہے پیار کی

اس دور کی عجب ہے سیاست، سمجھ لو یوں
نفرت کھلی شراب ہے بوتل ہے پیار کی

خوابوں میں ڈوب جانے کے قائل نہیں ہے وہ
آنکھوں میں، دل میں رہتی ہے پاگل ہے پیار کی

میں نے اصول سے کبھی سودا نہیں کیا
ہاتھوں میں میرے آج بھی مشعل ہے پیار کی

*****

ابر ہے یا کوئی دھواں سا ہے
دُھند ہے کچھ تو کچھ عیاں سا ہے

چپ ہی رہنے میں عافیت ہوگی
کھولنا لب کا امتحاں سا ہے

تم نہیں ہو تو پھر یہ اپنا وجود
گھر میں رہ کر بھی بے مکاں سا ہے

لطف لے لے کے سن رہے ہیں سب
غم کا قصّہ بھی داستاں سا ہے

تجھ سے مل کر مجھے ہوا محسوس
قرب تیرا سکونِ جاں سا ہے

جو بھی ڈوبا نکل نہیں پایا
غم تو اک بحر بیکراں سا ہے

ڈال دیتا ہے چادرِ شفقت
یاد کا ابر آسماں سا ہے

*****

خواہشوں کا نگر تمام ہوا
زندگانی کا سفر تمام ہوا

چھڑ گئی بات پھر زمانے کی
قصّہٗ دل اگر تمام ہوا

دُھن میں تیری نہ ہو سکا معلوم
کب چلا کب سفر تمام ہوا

تھک کے سورج نے اوڑھ لی چادر
ذوقِ رنگِ سحر تمام ہوا

شکر ہے خالق جہاں تیرا
راستہ پُر خطر تمام ہوا

میں ہوں جیسا نظر نہیں آتا
آئینے کا ہنر تمام ہوا

*****

اک نظر میں چھلک گیا پانی
بن کے موتی چمک گیا پانی

تو نے کیا چھو لیا سمندر کو
خوشبوؤں سے مہک گیا پانی

بوجھ کچھ دل کا ہو گیا ہلکا
آنکھ سے جب چھلک گیا پانی

آپ کیا آگئے کنارے پر
آئینے سا چمک گیا پانی

ہے کہاں کوئی خانۂ دل میں
کس کی خاطر چھلک گیا پانی

رسمِ الفت حسنؔ نبھانے کو
گاؤں سے شہر تک گیا پانی

*****

بٹھا کے رکھا تھا سر پر اسے اتار دیا
انا کے سانپ کو بے چارگی نے مار دیا

ترے بچھڑنے کا غم ہو کہ ہو غمِ دوراں
ہوائے سرد نے ہر درد کو ابھار دیا

ہمارے دم سے سلامت وطن کی تہذیبیں
ہمیں نے تاج محل اور قطب منار دیا

سلگتی ریت سنورنے لگی کناروں پر
ہوا نے حوصلہ بخشا جب اعتبار دیا

قصور میرا تو اتنا ہی ہے مرے منصف
اُسی کے سنگ کو میں نے اسی پہ مار دیا

نظر کے سامنے تم تھے تو میں بھی زندہ تھا
نظر سے ہو گئے اوجھل تو جیسے مار دیا

قرار کیسے ملے اضطرابیت کو حسنؔ
مریض سینکڑوں ہیں تو نے اک انار دیا

*****

اگر جانا ضروری ہے تو جاؤ شادمانی سے
ہمارا غم الگ کر دو تم اپنی زندگانی سے

نظارہ ساحلوں پر بیٹھ کر کرنا مقدر ہے
ہمیں دریا سے کیا مطلب کہ ہم ڈرتے ہیں پانی سے

یہی بچے ہمارے کل کے ہوں گے گوہر یکتا
خدا ان کو بچانا ہر بلائے ناگہانی سے

بہت نازک ہے یہ شیشہ اسے رکھنا حفاظت سے
مکانِ دل نہ ہو جائے شکستہ بدگمانی سے

یہ ممکن ہے زمانے کے مسائل گھیر سکتے ہیں
نہ ہو جانا کبھی پُرنم مری آنکھوں کے پانی سے

ہمیشہ درد کا موسم تو رہتا ہے نگاہوں میں
طبیعت کب بہلتا ہے فسانے سے کہانی سے

کھلے ہیں مختلف رنگوں کے جتنے پھول آنگن میں
مہک موجود ہے ان میں ہماری باغبانی سے

حسنؔ اس دل کو بہلانا بہت آساں نہیں یعنی
یہ شیشہ ٹوٹ ہی جائے گا ضربِ ناگہانی سے

*****

میں اپنے واسطے بھی پیچیدہ ہو رہا ہوں
آنکھوں میں تو ہے اور میں نمدیدہ ہو رہا ہوں

حالاتِ شہر پوچھے ایسا نہیں کوئی اب
ہر حادثے پہ میں ہی رنجیدہ ہو رہا ہوں

یہ رائیگاں سی کوشش لائے گی رنگ میری
کس کے لئے میں اتنا سنجیدہ ہو رہا ہوں؟

میں کام ٹالتا ہوں ہر آنے والے کل پر
امروز کے لئے میں نادیدہ ہو رہا ہوں

اب لوگ مجھ سے کھل کے ملتے نہیں حسنؔ
آسان پہلے تھا اب پیچیدہ ہو رہا ہوں

*****

لگتا ہے جیسے قید سے بھالو نکل پڑے
بستی کے لوگ ہو کے بے قابو نکل پڑے

غیروں کی بات چھوڑیئے واجب ہے یہ سلوک
اپنوں کے درمیان بھی چاقو نکل پڑے

حرص و ہوس کا پہنے ہوئے گیروا لباس
راہِ گناہ پر کئی سادھو نکل پڑے

شیریں ہے میرا لہجۂ گفتار سب کے ساتھ
خود سے کیا کلام تو آنسو نکل پڑے

مجھکو شکستِ فاش کسی اور نے نہ دی
میرے ہی جسم سے مرے بازو نکل پڑے

*****

عمر کی ساری کمائی دی ہے
اس نے تب جا کے رہائی دی ہے

خوف سے کانپ رہے ہیں بچے
اجنبی چاپ سنائی دی ہے

گھُپ اندھیرے میں کسی جگنو کی
روشنی صاف دکھائی دی ہے

وحشتیں پھیل چکی ہیں اتنی
برف میں آگ دکھائی دی ہے

فیصلہ جو بھی ہے اب ہو جائے
ہم نے ہر طور صفائی دی ہے

چھین کر قوتِ پرواز حسنؔ
قید سے مجھ کو رہائی دی ہے

*****

ہر لمحہ ٹیس اور چبھن میرے شہر میں
ہر ایک سانس میں ہے گھٹن میرے شہر میں

کچھ تو لباسِ فاخرہ رکھتے ہیں اور کچھ
مر جاتے ہیں بے گور و کفن میرے شہر میں

کوئی کمی نہیں یہاں جدّت پسندوں کی
رائج ہے پھر بھی طرز کہن میرے شہر میں

جب موت کے کنویں میں اترتی ہے زندگی
کانپ اٹھتا ہے ہر ایک کا من میرے شہر میں

جیتے ہیں لوگ آہنی عزم و عمل کے ساتھ
پھیلے ہوئے ہیں سانپ کے پھن میرے شہر میں

تصویرِ زندگی میں ہیں رنگینیاں بہت
کیوں ہے اداس دل کا چمن میرے شہر میں

کوئی ادائے خاص تو ان کو پسند ہے
آتے ہیں چل کے روز حسنؔ میرے شہر میں

*****

مہمان وہ ہمارے جو شب بھر کے ہو گئے
ہم بادشاہ اپنے مقدر کے ہو گئے

منظر لہو لہان سا ہر لمحہ دیکھ کر
آنکھوں کے آئینے مرے پتھر کے ہو گئے

لہریں ڈبو دیں یا ہمیں طوفاں بکھیر دے
لنگر جو اُٹھ گیا تو سمندر کے ہو گئے

چاروں طرف ہے ایک ہی منظر رواں دواں
مخصوص جیسے ہم کسی محور کے ہو گئے

مصروف ہم کو رکھتی ہے ہر وقت زندگی
گھر سے نکل کے آئے تو دفتر کے ہو گئے

یہ کائنات آئینہ ہے اپنی ذات کا
باہر کے ہو گئے کبھی اندر کے ہو گئے

تاکید اس نے کی تھی خلاف مراجعت
دیکھا جو مُڑ کے پیچھے تو پتھر کے ہو گئے

پرواز پر غرور تھا جنکو بہت حسنؔ
شاہین وہ ٹوٹے ہوئے شہپر کے ہو گئے

*****

قناعت کر کے سمجھائے ہوئے ہیں
یوں اپنے دل کو بہلائے ہوئے ہیں

دعا کے واسطے پیڑوں کے پتے
ہتھیلی اپنی پھیلائے ہوئے ہیں

کھلی جو آنکھ تو حیرت سے دیکھا
کہاں تھے ہم کہاں آئے ہوئے ہیں

قریب ان سے بہت آنے کی خاطر
بدن کے زخم سلوائے ہوئے ہیں

زمیں کی پیاس بجھتی ہی نہیں تو
فلک پر ابر کیوں چھائے ہوئے ہیں

اُگے ہیں جنگلوں میں بیل بوٹے
'چمن میں پھول مرجھائے ہوئے ہیں'

خطوطِ دوستاں پڑھکر حسنؔ اب
طبیعت اپنی بہلائے ہوئے ہیں

*****

میں کہ جوہر ہوں اک روشنی کی طرح
مجھ کو پرکھے کوئی جوہری کی طرح

چھوڑیئے وہ تو جنگل کا ہے جانور
آدمی تو ملے آدمی کی طرح

خوش نگاہی سے بڑھتا ہے ذوقِ طلب
گھر سے نکلو نہ تم اجنبی کی طرح

بن سکا ہے کہاں آج تک کوئی بھی
زہد و تقویٰ سے میرے نبی کی طرح

ایک دہشت تھی ہر سمت، ہر ایک پل
زندگی میں نے جی خودکشی کی طرح

رنج و غم، کشمکش، چشم نم، آرزو
زندگی ہے حسنؔ شاعری کی طرح

*****

Year : 2017

SAAYADAAR DHOOP

(Urdu Poetry)

By : Dr. Hassan Nizami

E-mail : drhassannezami@gmail.com

Mobile No.: 9835390325

حسن نظامی سے میرا پہلا تعارف ایک محقق اور نقاد کے طور پر رہا۔ ان کی پہلی تنقیدی کتاب ''جھارکھنڈ کے جدید غزل گو شعراء'' پر تحقیق کی ہلکی ہلکی چھوٹ بھی پڑی ہے۔ کوئی دس سال قبل شائع ہو چکی ہے۔ پھر اس کے بعد ان کا تحقیقی مقالہ ''غلام مرتضی راہی۔ حیات اور کارنامے'' بھی میری نظروں سے گذر چکا ہے۔ لیکن گاہے گاہے ان کی شعری تخلیقات سے بھی آمنا سامنا ہوتا رہا ہے۔ یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی کہ نظامی اپنی منتخب غزلوں کا پہلا مجموعہ ''سایہ دار دھوپ'' شائع کر رہے ہیں۔ نظامی کا طریقۂ کار اپنی پچھلی پیڑھیوں سے کچھ مختلف ہے۔ زبان اور لہجہ اپنا ہے ان کی لسانیات میں پیچیدگی نہیں، صفائی ہے۔ وہ بڑی بے تکلفی سے کھلے، ڈھلے انداز میں لاگ اور لگاؤ دونوں کا اظہار کرتے ہیں اور جب ان کے اشعار تخلیقی کیمیاء سے گذر کر سامنے آتے ہیں تو اپنی سادگی کے باوجود تہہ در تہہ محسوس ہوتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ کسی بھی جنگ کے قائل نہیں۔ نہ کسی نظریہ کے پابند ہیں اور نہ کسی قسم کے دباؤ کو گوارہ کرتے ہیں۔ نظامی کے اندر جو تخلیقی صلاحیت ہے وہ اس راز کو نظر انداز نہیں کریگی کہ

موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ بھی نہیں

حسن نظامی شعر کہتے ہیں اور ڈھب کے شعر کہتے ہیں ان کے لہجے میں بے تکلفی اور کبھی کبھی نکیلا پن بھی محسوس ہوتا ہے۔ دل اور ذہن کے سائے سائے سفر کرتے ہیں۔ جیسے جیسے ان کی مشقِ سخن بالیدہ ہوتی جائیگی ان کا جمالِ فن نکھرتا چلا جائے گا۔ میں ان میں آئندہ کا ایک کامیاب شاعر دیکھتا ہوں۔

— سیّد احمد شمیم

ISBN 978-93-86624-78-9

978-93-86624-78-9

www.ephbooks.com

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

New Delhi , INDIA